ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

42

7 تا 13 ذوالقعدہ 1430ھ / 27 اکتوبر تا 2 نومبر 2009ء

ایمان باللہ کا حقیقی مرتبہ

ایک مکمل اسلامی زندگی کی عمارت اگر اُٹھ سکتی ہے تو صرف اُسی اقرارِ توحید پر اُٹھ سکتی ہے جو انسان کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی پر وسیع ہو۔ جس کے مطابق انسان اپنے آپ کو اور اپنی ہر چیز کو خدا کی ملک سمجھے۔ اس کو اپنا اور تمام دنیا کا ایک ہی جائز مالک، معبود، مطاع اور صاحب امر و نہی تسلیم کرے۔ اسی کو ہدایت کا سرچشمہ پائے اور پورے شعور کے ساتھ اس حقیقت پر مطمئن ہو جائے کہ خُدا کی اطاعت سے انحراف، یا اس کی ہدایت سے بے نیازی، یا اس کی ذات وصفات اور حقوق واختیارات میں غیر کی شرکت جس پہلو اور جس رنگ میں بھی ہے سراسر ضلالت ہے۔ پھر اس عمارت میں اگر استحکام پیدا ہو سکتا ہے تو صرف اسی وقت جبکہ آدمی پورے شعور اور پورے ارادے کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ وہ اور اس کا سب کچھ اللہ کا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے۔ اپنے معیار پسند و ناپسند کو ختم کر کے اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دے۔ اپنی خودسری کو مٹا کر اپنے نظریات وخیالات، خواہشات وجذبات اور اندازِ فکر کو اس علم کے مطابق ڈھال لے جو خدا نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ اپنی تمام اُن وفاداریوں کو دریابُرد کر دے جو خدا کی وفاداری کے تابع نہ ہوں بلکہ اس کے مدِ مقابل بنی ہوئی ہوں یا بن سکتی ہوں۔ اپنے دل میں سب سے بلند مقام پر خدا کی محبت کو بٹھائے، اور ہر اُس بت کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے نہاں خانۂ دل سے نکال پھینکے جو خُدا کے مقابلے میں عزیز تر ہونے کا مطالبہ کرتا ہو۔ اپنی محبت اور نفرت اپنی دوستی اور دشمنی اپنی رغبت اور کراہیت، اپنی صلح اور جنگ، ہر چیز کو خدا کی مرضی میں اس طرح گم کر دے کہ اُس کا نفس وہی چاہنے لگے جو خدا چاہتا ہے اور اسی سے بھاگنے لگے جو خدا کو ناپسند ہے۔ یہ ہے ایمان باللہ کا حقیقی مرتبہ۔

تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس شمارے میں

توپوں کا رخ دشمن کی طرف......

شہادت علی الناس
اُمّتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی

ڈیموکریٹک پاکستان یا......

قرآن مجید: منبع ایمان و یقین

اصل محاذ پر لوٹیے!

آہ! پروفیسر عبدالجبار شاکر

حقیقی چیلنج

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

سورۃ الاعراف

(آیات:185تا188)

الھدیٰ (393)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾﴾

”کیا اُنہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں اُن پر نظر نہیں کی اور اس بات پر (خیال نہیں کیا) کہ عجب نہیں اُن (کی موت) کا وقت نزدیک پہنچ گیا ہو۔ تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ جس شخص کو گمراہ کرے اللہ اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔ (یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ کہہ دو کہ اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے۔ وہی اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کر دے گا۔ وہ آسمان اور زمین میں ایک بھاری بات ہوگی۔ اور ناگہانی تم پر آجائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو۔ کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔ کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“

اور کیا لوگ آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بنایا، اُس پر غور نہیں کرتے؟ اور کیا انہیں اس بات کی بھی فکر نہیں کہ اُن کی مہلت عمر ختم ہوا چاہتی ہے؟ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ۔ ہر قوم کے لیے ایک اجل معین ہے، وہ کس طرح بے فکر ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی وہ اجل قریب آ گئی ہو، تو اب اس کے بعد اور کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو جائے، اب اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ چھوڑ دے گا کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر آگے بڑھتے رہیں۔

اے نبیؐ! یہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ قیامت، قیامت، قیامت، تو وہ کب آئے گی؟ آپ اُن سے کہہ دیں کہ اُس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اُس کا وقت سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ جنوں اور انسانوں میں سے کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ وہی اُسے اُس کے معین وقت پر ظاہر کرے گا۔ ویسے وہ آسمان اور زمین کے اندر ہی ہے۔ جو شے بھی تخلیق کی گئی ہے، اُس کی فنا بھی اُسی شے میں موجود ہے۔ ہر تخلیق کی ایک معین مدت (اجل مسمی) ہے یعنی اُس کی موت اُس کے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے۔ ہم اپنی موت اپنے ساتھ ہی لئے پھر رہے ہیں۔ یہی حال اس کائنات کا ہے۔ جس طرح ایک عورت اپنا حمل لئے پھرتی ہے، اسی طرح یہ کائنات اپنی قیامت (یعنی فنا) لئے پھر رہی ہے۔ وہ قیامت تو تم پر اچانک آئے گی۔

یہ لوگ قیامت کے وقوع کے بارے میں آپؐ سے ایسے پوچھتے ہیں جیسے آپؐ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ آپؐ کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ تو ہمارا معاملہ ہے۔ کہہ دیجیے اُس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس (حقیقت) کا علم نہیں رکھتے۔ کہہ دیجیے مجھے خود اپنی جان کے بارے میں بھی نہ کسی نفع اور نہ کسی نقصان کا اختیار ہے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اور اگر مجھے علم غیب حاصل ہوتا تو میں بہت سا خیر جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ آتی۔ میرے پاس غیب کا علم نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ”کہہ دیجیے میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس غیب کا علم ہے۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے خزانے میرے قبضہ قدرت میں ہیں۔“ سن رکھو میں تو محض ایک بشیر اور نذیر ہوں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہوں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

بہتر انسان کون ہے؟

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ))

(رواہ بخاری و مسلم)

کہا گیا (یعنی ایک اعرابی نے آ کر سوال کیا) اے اللہ کے رسول! (ﷺ) لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ مومن جو اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرتا ہے“۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توپوں کا رخ دشمن کی طرف موڑیں!

افواجِ پاکستان نے وزیرستان پر جونہی لشکر کشی کی امریکہ نے پاک افغان بارڈر سے اپنی چوکیاں ہٹا دیں۔ کیا اب بھی کسی شک کی گنجائش ہے کہ ہم سے کیا ہو رہا ہے اور کرنے والا کون ہے۔ ہمارے بائیں بازو کے صحافی اور سیکولر دانشوروں کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے۔ جب سرخ سامراج افغانستان میں مسلم کشی کا مظاہرہ کر رہا تھا تو نظریاتی ہم آہنگی کی بنا پر ان کا سامراجیوں کی کامیابیوں پر بغلیں بجانا اور ان کی درگت بننے پر تلملانا قابلِ فہم تھا، لیکن سرمایہ پرستانہ سوچ کا حامل وہ امریکہ جس نے دنیا سے اشتراکیت کا جنازہ نکالا تھا، جب افغانستان میں آدھمکا اور مسلمانوں کی بستیوں کی بستیاں تہ وبالا کر دیں تو یہی مخلوق (بائیں بازو کے صحافی اور سیکولر دانشور) ہنستے کھیلتے اور اچھلتے کودتے اپنے نظریات اور کارل مارکس کے فرمودات کو فراموش کر کے ساہوکار امریکہ کی گود میں جا بیٹھے۔ ہمیں ان کی نقاب کشائی اس لئے کرنی پڑی کہ آج کل وہ دن رات مختلف ٹی وی چینلز پر نمودار ہو کر اور اخبارات کے صفحات کو سیاہ کرتے ہوئے دنیا خصوصاً پاکستانیوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امریکہ ہمارا اصل دشمن نہیں بلکہ ہمارے اصل دشمن طالبان ہیں۔ امریکہ نے وزیرستان پر پاکستانی فوج کے حملہ کے ساتھ ہی پاک افغان بارڈر پر جو چوکیاں ختم کی ہیں، اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ پاکستانی قبائل میں گھسے ہوئے اپنے اور را کے ایجنٹوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ پاکستانی افواج کتنا عرصہ وہاں رکی رہیں گی۔ جب پاکستانی افواج کی گرفت ڈھیلی پڑے، اپنے ان ایجنٹوں کو پھر وزیرستان میں داخل کر دو تا کہ یہ پھر کارروائیاں کریں اور پاکستانی فوج اپنے مغربی بارڈر پر الجھی رہے۔ دوسری طرف بھارتی لیڈروں کے بیانات بھی اشتعال انگیز ہو چکے ہیں۔ بھارت اپنے جدید ترین طیارے پاکستان کی سرحد پر واقع اپنے ہوائی اڈوں پر منتقل کر رہا ہے۔ ہندوستانی لیڈروں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پاکستانی فوج میں طالبان سے نمٹنے کی اہلیت نہیں، ضرورت محسوس ہوئی تو یہ کام بھارتی فوج کرے گی۔ یعنی پاکستان میں بھارتی فوج کی مداخلت کی کھلم کھلا دھمکی دی ہے۔ ادھر ایران کے سرحدی صوبے زاہدان میں جو خودکش دھماکہ ہوا ہے، ایرانی صدر احمدی نژاد نے اس کی ذمہ داری پاکستان پر تھوپ دی ہے۔ جنداللہ تنظیم اس حملہ کی ذمہ داری قبول کر چکی ہے۔ جنداللہ تنظیم کیا ہے، اس کے مقاصد کیا ہیں، اسے ایک طرف رکھتے ہوئے اس وقت ہم صرف یہ کہنا چاہیں گے کہ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس تنظیم کو امریکہ کی اشیر باد حاصل ہے۔ ایران میں اس طرح کی کارروائی کا مقصد اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے لیے ایک اور محاذ کھول دیا جائے۔ پاکستانی فوج کو سوات آپریشن، وزیرستان آپریشن، ایران سے محاذ آرائی اور اندرونِ ملک دھماکوں سے افرادی اور ذہنی طور پر بکھیر دیا جائے۔ تب کسی فیصلہ کن کارروائی کے لیے بھارت باہر سے اور امریکہ اپنے بلیک واٹر اور دوسری سیکورٹی ایجنسیوں کے ذریعہ اندر سے پاکستان پر حملہ آور ہو۔ خصوصاً اس کے ایٹمی اثاثہ جات کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

حیرت اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے صحافی اور سیکولر عناصر طالبان دشمنی میں اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ یہ دشمنی پاکستان اور مسلمان دشمنی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ لہٰذا مذہبی عناصر کی طرف سے ایٹمی اثاثہ جات کی حفاظت اور ایٹمی پروگرام آگے بڑھانے کے حوالہ سے جو گرم جوشی دکھائی

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 18 — شمارہ 42
7 تا 13 ذوالقعدہ 1430ھ
27 اکتوبر تا 2 نومبر 2009ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mall:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 5869501-03 فیکس: 5834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 10 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 300 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ------------ (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

جاتی ہے وہ بھی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اور گاہے بگاہے وہ اپنی ایٹمی قوت کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے۔ گویا امریکہ اسرائیل اور بھارت کا اتحادِ ثلاثہ اور ہمارا سیکولر طبقہ اب اس حوالہ سے ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، جہاں تک ہمارے سیاست دانوں کا تعلق ہے بحیثیت مجموعی سیکولر سوچ رکھنے کے باوجود انہیں نہ سیکولرازم سے کوئی غرض ہے، نہ اسلام کی پرواہ، ان کی نگاہیں صرف کرسی اقتدار پر مرکوز ہیں۔ دن رات اسی کے طواف میں مصروف رہتے ہیں۔ نہ ماضی سے سبق سیکھنے کے لیے تیار ہیں، نہ مستقبل کی کوئی فکر ہے۔ انہیں صرف اپنے آج سے تعلق ہے۔ ہم صاف گوئی اور صحافتی دیانت کا تقاضا پورا کرتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مذہبی طبقات بھی اپنے مسلکی مفادات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی سوچ بھی اپنے اداروں اور دارالعلوموں کے تحفظ تک محدود ہے۔ اسلام اور پاکستان یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور ترجیح اوّل میں نہیں آتے۔ وہ اپنے خول سے باہر آنے کو تیار نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

قارئینِ کرام! ہم نے خارجی حالات اور داخلی انتشار کی جو صورت حال بیان کی ہے اس پس منظر میں عقلی سطح پر کوئی امکان نظر آتا ہے کہ آنے والے دنوں میں ہم اپنی آزادی کی حفاظت کر سکیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ نظریاتی سرحدیں پامال ہو جائیں تو جغرافیائی سرحدیں قائم نہیں رہ سکتیں۔ اس قسم کے بلا دلیل جذباتی بیانات کہ پاکستان قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور یہ قیامت تک قائم رہے گا، کیا پاکستان کی حفاظت کر سکیں گے؟ کیا 1947ء والا پاکستان 1971ء میں دولخت نہیں ہو گیا تھا؟ کیا آنکھیں بند کرنے سے کبوتر بلی سے محفوظ رہے گا؟ کیا ہمارے گھر کا فرد بیمار ہو یا ہمارا کاروبار خراب ہو رہا ہو تو ہم عملی اقدام کی بجائے طفل تسلیوں پر انحصار کریں گے؟ آیئے خوابوں کی دنیا سے نکل کر اسلام کے نام پر بننے والی اس نظریاتی ریاست کے تحفظ کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں نکلیں۔ اپنے اصلی دشمن کو پہچانیں۔ اپنے دوست سے اپنا رویہ درست کریں۔ ذہنی ہم آہنگی پیدا کریں۔ اپنی صفوں کو از سرِ نو ترتیب دیں۔ دنیا کی عارضی سپر قوت کی بجائے کائنات کی سپریم اور لازوال قوت کا سہارا پکڑیں۔ اسے "خیر الرازقین" تسلیم کر کے صرف اور صرف اسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ دولت اور اقتدار دھوپ اور چھاؤں کی مانند اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ آیئے اپنے دوست اور دشمن کی شناخت کریں اور نشاندہی کے بعد یوٹرن لیں۔ اپنی توپوں کا رخ دوستوں سے دشمن کی طرف پھیر دیں۔ وگرنہ ہمارا حقیقی دشمن جس نے اتحادی اور دوست کا روپ دھارا ہوا ہے ہمیں تباہ کن انجام تک پہنچا کر دم لے گا۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک!!

اعتذار

گزشتہ شمارے میں الہدیٰ میں سورۃ الاعراف کی آیات 185 تا 188 کا ترجمہ و تشریح چھپنے کی بجائے آیات 205، 206 کا ترجمہ و تشریح چھپ گئی۔ ادارہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے۔

❁ قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ؟
❁ قرآن و سنت کی روشنی میں قربانی کا فلسفہ کیا ہے؟
❁ عیدالاضحیٰ اور قربانی میں باہم چولی دامن کا ساتھ کیوں ہے؟
❁ حج کے موقع پر منیٰ میں کی جانے والی قربانی اور اس موقع پر پوری دنیا میں کی جانے والی قربانی میں کیا ربط و تعلق ہے؟

ان سوالات کی وضاحت کے لیے مطالعہ کیجئے

عیدالاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

اور

حج اور عیدالاضحیٰ اور اُن کی اصل روح
قرآن حکیم کے آئینے میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل مختصر مگر جامع کتابچہ

قیمت اشاعت خاص: 25 روپے ، اشاعت عام: 15 روپے
(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 5869501-03

ان شاء اللہ العزیز

رفقاء تنظیم اسلامی کا سالانہ

کل پاکستان اجتماع

15 نومبر بروز اتوار نمازِ عصر تا 17 نومبر 2009 نمازِ ظہر

بمقام: مرکزی اجتماع گاہ تنظیم اسلامی بہاولپور

رفقاء کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ 15 نومبر 3 بجے سہ پہر تک اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں

المعلن: ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان
فون: (042) 36316638-36366638

بسلسلۂ قرآن حکیم کا پیغام

شہادت علی الناس، اُمّتِ مسلمہ کا فرضِ منصبی

سورۃ الحج کی آیات 77 تا 78 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 2 اکتوبر 2009ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[سورۃ الحج کی آیات 77، 78 کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! گزشتہ جمعہ میں سورۃ الحج کی آیت 77 پر گفتگو ہوئی تھی۔ آج کی نشست میں آیت 78 کے حوالے سے فریضۂ شہادت علی الناس پر بیان ہوگا۔ ان شاءاللہ!

ارشادِ ربانی ہے:

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جتنا کہ جہاد کا حق ہے۔ اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔ (اور تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)۔''

''جہاد'' کے معنی کوشش اور محنت کے ہیں۔ اس سے مراد ہر وہ کوشش ہے جو دین کے احیاء و اظہار کے لیے کی جائے۔ حیاتِ طیبہ کے مکی دور میں نبی کریم ﷺ جو محنت کر رہے تھے، وہ اللہ کے پیغام کا ابلاغ تھا۔ آپؐ لوگوں کو پیغامِ حق پہنچاتے، قرآن حکیم کی تبلیغ کرتے۔ تبلیغ و ابلاغ کی یہی جدوجہد جب آگے بڑھی تو تبدیلیٔ نظام کے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ ظاہر ہے، اسلام صرف انفرادی پوجا پاٹ کا نام نہیں، بلکہ پوری اجتماعی زندگی کو بھی اپنے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نوعِ انسانی طاغوتی نظاموں کے شکنجے سے آزاد ہو کر خدائی نظام کے تحت عدل وانصاف کی فضا میں زندگی بسر کرے۔ اس لیے کہ اگر لوگ شیطانی نظام کے تحت رہیں گے تو دنیا میں عدل وانصاف سے بھی محروم رہیں گے اور سب سے بڑھ کر اپنی آخرت برباد کر بیٹھیں گے۔ اگر اللہ کا نظام قائم ہوگا تو وہ اُن کی آخرت سنوارنے میں ممد و معاون ہوگا۔ جب جہاد تبدیلیٔ نظام کے مرحلے میں داخل ہوا تو آپؐ کو تلوار بھی اُٹھانا پڑی۔ چنانچہ غزوات اور سرایا ہوئے۔

چونکہ نبی کریم ﷺ پر نبوت ورسالت کی تکمیل ہوگئی اور آپؐ کے بعد اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، لہٰذا اسلام کے احیاء اور سربلندی کا یہ کام آپؐ کے امتی ہونے کے ناتے ہمیں کرنا ہوگا۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے، یہ ہمارا مشن ہے۔ جہاد کا حکم اسی مقصد کے لیے ہے۔ اس کے لیے نبی اکرم ﷺ کے مکی اور مدنی دونوں ادوار کو ہمیں اپنے پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ آج اسی جہاد سے امریکہ ڈرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نظام کی بات نہ کرو، خلافت کا احیاء ہم نہیں ہونے دیں گے، دنیا بھر میں نظام ہمارا چلے گا، تہذیب ہماری ہوگی۔ وجہ صاف ظاہر ہے، اگر اسلام کا عادلانہ نظام دنیا میں غالب آ گیا تو اُن کے شیطانی نظام کو کہیں سر چھپانے کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔

بہرحال قرآن وسنت کی دعوت کا ابلاغ اور دینِ حق کے قیام کی جدوجہد دونوں صورتیں اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ اس جہاد کے لیے قرآن حکیم بار بار اپنا جان و مال لگانے کا حکم دیتا ہے۔

جہاد کی غرض و غایت کیا ہے، اس کو آگے واضح کر دیا گیا:

''اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے، تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو۔ پس نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو، وہی تمہارا دوست ہے، اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔'' (الحج:78)

یعنی رسول ﷺ تم پر دین کی گواہی قائم کر دیں، تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں، اس کو وضاحت سے بیان کر دیں، اس کا عملی نمونہ بن کر اور دین کو قائم کر کے دکھا دیں، اور تم پوری نوعِ انسانی پر گواہ بن جاؤ۔ دین کی گواہی تمہیں بقیہ نوعِ انسانی کے سامنے دینی ہے۔ کیوں دینی ہے؟ اس لیے کہ یہ عقیدۂ ختمِ نبوت کا لازمی اور منطقی تقاضا ہے۔ آج سے چودہ سو برس پہلے نبوت ورسالت کی کھڑکی بند ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ پر دین اور ہدایت اور نبوت و رسالت کی تکمیل ہوگئی۔ لیکن ظاہر ہے، ہدایت کی ضرورت تو ختم نہیں ہوئی۔ یہ ضرورت تا قیامت رہے گی۔ شہادت علی الناس کا کام نہیں رکے گا۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب یہ کام اس پوری اُمت کی ذمہ داری ہے۔

مسلمانو، جو گواہی رسول ﷺ نے تمہارے سامنے دی ہے، اب تمہیں یہ گواہی بقیہ نوعِ انسانی کے سامنے دینی ہے۔ اس مقصد کے لیے جس طرح حضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے محنت کی تھی، قربانیاں دی تھیں، جان مال، تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا تھا اور جہاد کا حق ادا کر دیا تھا، تم سے بھی یہی تقاضا ہے۔ لہٰذا اس راہ میں محنت اور کوشش کرو، اپنا مال بھی لگاؤ، جان بھی کھپاؤ، اپنا وقت بھی لگاؤ، اور جسم و جان کی توانائیاں بھی صرف کر دو۔ تم نے یہ سمجھا کہ یہ جسم و جان کی توانائیاں اس لیے ہیں کہ دنیا کمائیں، دنیا کی دوڑ میں آگے نکلیں۔ نہیں! یہ تو ان لوگوں کا شیوہ ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کے فلسفہ پر عمل پیرا ہیں۔ مسلمانو، تم ایک عظیم مشن کے حامل ہو، تمہیں خیرِ اُمت قرار دیا گیا ہے، بہترین اُمت کا لقب ملا ہے، اس لیے کہ تمہیں بہت بڑا مشن دیا گیا ہے۔ اگر تم اس مشن کو بھول گئے تو اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا۔ اللہ کی طرف سے اس مسلمان قوم پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے جو اپنی دینی ذمہ داریوں اور فرائضِ منصبی کو بھول جائے۔ ہم جس ذمہ داری کی بنا پر خیرِ اُمت بنے یہ ذمہ داری شہادت علی الناس ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں دو جگہ پر ہے۔ قرآن مجید کے بالکل شروع میں جہاں سابقہ امتِ مسلمہ بنی اسرائیل کی معزولی اور امتِ مسلمہ کی تشکیل کا اعلان ہو رہا ہے، وہاں فرمایا: ''اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو'' (البقرہ:143)

اے مسلمانو! اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُمتِ وسط بنا دیا۔ سابقہ اُمت کا دور اب ختم ہوگیا۔ اب زمین پر اللہ کی نمائندگی کے منصب پر تمہیں فائز کیا جا رہا ہے۔ اب ایک نئی اُمت کی تاریخ کا آغاز ہو رہا ہے۔ تمہیں اللہ نے اُمتِ وسط بنایا یعنی تم درمیانی رابطہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام اپنے بندوں تک بھیجتا رہا، اس کے دو لنک تھے، رسول بشر اور

رسول ملک۔ سلسلہ نبوت و رسالت کی تکمیل کے بعد اب مخلوق کو خالق سے جوڑنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔ اللہ کا پیغام تمہارے پاس موجود ہے جو قیامت تک محفوظ ہے۔ اب اس پیغام کو نوعِ انسانی تک پہنچانا اور پوری نوعِ انسانی کے سامنے دین کی گواہی دینا اور اُن پر حجت قائم کرنا تمہارے ذمہ ہے۔ تمہیں اسی مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا۔

یہی بات سورۃ آلِ عمران آیت 110 میں یوں فرمائی گئی: ''(مومنو) جتنی اُمتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان سب سے بہتر ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے جو سب کا خالق و مالک ہے، ہمیں بہترین امت قرار دیا، اور ساتھ ہی فرما دیا کہ تمہیں دوسرے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ لہٰذا تمہیں اب پوری دنیا کے لیے ہدایت کا روشن چراغ بننا ہے، قیامت تک نوعِ انسانی کے لیے مینارۂ نور بننا ہے۔

جب تک اُمت کو اپنا یہ مشن یاد رہا اور اس کے لیے اس نے جدوجہد جاری رکھی، عروج و اقبال اُس کا مقدر رہا۔ دورِ صحابہؓ اس کی شاندار مثال ہے۔ چند ہزار قدسی نفوس صحابہ کرامؓ نبوی مشن لے کر اُٹھے، اور بیک وقت اپنے زمانے کی دو سپر پاورز سے ٹکرا گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت فارس کی تو دھجیاں بکھر گئیں اور سلطنت روم کا بھی بڑا حصہ اسلام کے زیرنگیں آ گیا۔ مقامِ غور یہ ہے کہ جلیل القدر صحابہؓ نے مدینہ کی گلیاں کیوں چھوڑی تھیں؟ بیت اللہ کو جہاں ہر نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے کیوں چھوڑا تھا۔ اس لیے تاکہ شہادت علی الناس کے فرض منصبی کو ادا کر سکیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شہادت علی الناس کا اصل مفہوم کیا ہے؟ شہادت گواہی کو کہتے ہیں۔ گواہی دینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس لیے کہ جب آپ گواہی دیتے ہیں تو وہ لامحالہ کسی کے تو حق میں اور کسی کے خلاف جاتی ہے۔ فرض کریں، آپ ایک واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ کے سامنے ایک جرم ہوا ہے۔ اس میں ایک ظالم ہے اور ایک مظلوم۔ جب آپ مظلوم کے حق میں گواہی دیں گے تو وہ ظالم کے خلاف جائے گی۔ لہٰذا ''شہادت علی الناس'' کا ترجمہ ہوگا ''لوگوں کے خلاف گواہی قائم کرنا''۔ شہادت کا لفظ ''علیٰ'' کے صلے کے ساتھ جب بھی آتا ہے، کسی کے خلاف گواہی کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النور میں ہے:

''(یعنی قیامت کے روز) جس دن ان کی زبانیں اور ہاتھ پاؤں سب ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔'' (النور:24)

اور رسول بھی شاہد اور گواہ بن کر آتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا:

''جس طرح ہم نے فرعون کے پاس (موسیٰ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا تھا (اسی طرح) تمہارے پاس بھی (محمد ﷺ) رسول بھیجے ہیں جو تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں گے۔'' (المزمل:15)

رسول کو شاہد اور گواہ بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ جب دین کی گواہی دی جاتی ہے اور اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے تو حق اُن پر واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ اس بات پر رسول کو گواہ بناتا ہے، تاکہ لوگوں کے پاس اس معاملے میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔ شہادت علی الناس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دین کو اس طور سے واضح کر دیا جائے، اس کے پیغام حق کو اس طرح سے پہنچا دیا جائے، اپنے قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ حق اور سچ کیا ہے، اللہ کا پیغام کیا ہے۔ روزِ قیامت وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ پروردگار ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا تیری بندگی کا راستہ کون سا ہے اور شیطان کا راستہ کون سا ہے۔ ہمیں تو کسی نے آخرت کے بارے میں بتایا ہی نہیں تھا۔ رسولوں کے آنے سے لوگوں کے پاس یہ عذر باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ رسول قیامت کے دن کھڑے ہو کر قوم کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ پروردگار میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اس کا حق ادا کر دیا، اُسے کھول کر بیان کر دیا، اس کا عملی نمونہ بن کر دکھا دیا، اب ان لوگوں کے پاس کوئی بہانہ اور کوئی عذر نہیں۔

یہی بات سورۃ نساء میں بایں الفاظ آئی ہے۔

''بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے احوال بتانے والے بلائیں گے اور تم کو ان لوگوں کا (حال بتانے کو) گواہ طلب کریں گے۔'' (آیت:41)

اللہ تعالیٰ رسولوں کو اس لیے بھیجتا رہا تاکہ جب محاسبہ اُخروی ہوگا اور میزان نصب کی جائے گی، تب کوئی شخص عذر نہ پیش کر سکے کہ پروردگار تو کس چیز کا حساب لے رہا ہے۔ ہم تک تو تیرا پیغام پہنچا ہی نہیں ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا۔ چنانچہ رسولوں کی اس ذمہ داری کو شہادت علی الناس کہا گیا۔ اس گواہی کا ایک رُخ تو آخرت کی طرف ہے۔ لیکن رسول اس سے پہلے دنیا میں اپنے قول اور اپنے عمل سے گواہی دے چکے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک دین کی گواہی دیتے رہے۔ یہ الگ بات ہے قوم نہیں مانی۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ کام 23 برس میں انجام دیا۔ آپ کے صحابہؓ بھی اس کام میں آپؐ کے ساتھ شریک رہے۔ وہ بھی دوسروں کو دعوت دیتے رہے۔

اب اسی گواہی کا تقاضا ہم مسلمانوں سے کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس مشن کی تکمیل کے لیے بھرپور محنت اور کوشش کریں اور اس کی خاطر جان و مال کی قربانی دیں۔ یہ مشن گھر بیٹھے پورا نہیں ہوگا۔ اگر ہم اپنے دھندوں میں لگے رہے اور اپنے بال بچوں کے معاملات ہی میں مشغول رہے تو پھر یہ ذمہ داری ادا نہیں ہوگی۔ اپنی خانگی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے اصل مشن کے لیے وقت نکالنا پڑے گا، اس راہ میں مال لگانا ہوگا، جسم و جان کی توانائیوں کا ایک بڑا حصہ صرف کرنا ہوگا، تب جا کر یہ فرض ادا ہوگا، ورنہ یہ آسان کام نہیں ہے۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

یہی وجہ ہے کہ جب سورۃ البقرہ میں نئی اُمت کی تاجپوشی کا اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سے یہ اُمت محمدیہؐ قیامت تک اس زمین پر اللہ کی نمائندہ اُمت ہوگی تو اس کے ساتھ یہ نہیں کہا گیا کہ یہ منصب ملنے پر خوشیاں مناؤ، پاؤں پھیلا کر سو جاؤ، بلکہ ساتھ ہی اگلے ہی رکوع میں فرمایا:

''اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو'' (البقرہ:153)

یعنی یہ ایک عظیم مشن ہے، بڑی بھاری ذمہ داری اور بڑا کٹھن منصب ہے۔ اس میں تمہیں اللہ کی مدد کی ضرورت ہے، اور اللہ کی مدد تمہیں اللہ سے لو لگانے سے حاصل ہوگی۔ اگر تم نماز کا اہتمام کرو گے اور صبر و استقامت کا دامن پکڑے رکھو گے تو تمہارے اندر وہ ایمانی قوت پیدا ہوگی جو اس راہ کی مشکلات کے مقابلے میں تمہاری معاون ہوگی۔ اور اگر اللہ سے لو نہیں لگاؤ گے، صبر و استقامت اختیار نہیں کرو گے تو پھر ناکام ہو جاؤ گے۔

اگلی آیت میں یہ فرما کر کہ:

''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں (اس مشن کے لیے نکلیں اور شہید ہو جائیں) قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔'' (البقرہ:154)

یہ پیغام بھی دیا جا رہا ہے کہ یہ ایک کٹھن مشن ہے۔ اس میں بہت سوں کو جان کی قربانی دینی پڑے گی۔ لہٰذا تم اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔ شہادت حق کے راستے میں مشکلات ضرور آئیں گی۔ یہ راستہ پھولوں کی سیج نہیں ہے، کانٹوں بھرا بچھونا ہے۔ یہاں قدم قدم پر امتحانات اور مشکلات سے واسطہ پڑے گا۔ ان سب سے تمہیں گزرنا پڑے گا۔

''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔'' (البقرہ:155)

بہرحال اللہ کی مدد اور رحمت و نصرت ہمارے شامل

حال تبھی ہوگی جب ہم اس مشن کو آگے بڑھائیں گے، اور یہ مشن پورا تب ہوگا جب کل روئے ارضی پر اللہ کا دین غالب ہوگا۔ علامہ اقبال نے بہت خوب کہا تھا۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

اب اس ضمن میں آخری بات سمجھ لیجیے۔ اس گواہی کے تین درجے ہیں۔ ایک زبان سے گواہی ہے، نبی ﷺ سے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آپ تک پیغام پہنچا ہے، آپؐ اُسے دوسروں تک پہنچادیں۔ نہ صرف پہنچادیں، بلکہ زبان سے اس کی وضاحت اور تشریح بھی بیان کردیں۔ گواہی کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جو دین آپؐ کو دیا گیا، آپ اس کا عملی نمونہ بھی بن کر دکھائیں۔ آنحضورؐ نے گواہی قول سے بھی دے دی اور دین کا عملی نمونہ بھی امت کے سامنے پیش کردیا۔ قرآن نے گواہی دے دی کہ مسلمانو، تمہارے لیے رسول کی زندگی ہی بہترین عملی نمونہ ہے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

گواہی کی تیسری سطح یہ ہے دین کو بالفعل قائم کردیا جائے۔ رسولوں کو کتاب بھی دی جاتی ہے اور میزان عدل بھی۔ گواہی مکمل تب ہوگی جب وہ اس دین حق کو عملاً قائم کرکے بھی دکھادیں، باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیں۔ اس لیے کہ اگر دین حق کو قائم کرکے نہ دکھایا جائے تو محض کتابوں میں لکھا ہوا بہترین نظام بھی افلاطون کی Republic کی طرح خیالی جنت بن کر رہ جائے گا۔

آپ ایک بڑا اچھا نظام کاغذوں میں لکھ دیجیے، اس کی اُس وقت تک کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ اس کو نافذ کرکے نہ دکھادیا جائے۔ اس اعتبار سے بھی نبی کریم ﷺ نے گواہی کا حق ادا کردیا۔ آپؐ نے تئیس برس کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک دین حق کو غالب کردیا۔ اس کے بعد آپؐ نے خطبہ حجۃ الوداع میں لوگوں سے یہ گواہی لی کہ لوگو، کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کردیا، گواہی قائم کردی؟ اس کے جواب میں سوا لاکھ کے قریب افراد نے یک زبان ہوکر گواہی دی کہ آپؐ نے حق نصیحت ادا کردیا، تبلیغ کا حق ادا کردیا، اور کفر اور الحاد کے اندھیاروں کو چاک کرکے ہدایت کو واضح کردیا۔ اس پر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ''اے میرے پروردگار تو بھی گواہ رہ'' (میں نے اپنا مشن پورا کردیا) اور پھر آپؐ نے یہ فرما کر کہ ﴿فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ﴾ یعنی ''جو لوگ یہاں موجود ہیں اب وہ پہنچائیں ان تک جو موجود نہیں ہیں'' یہ مشن اپنی امت کے حوالے کردیا۔ یہ ہے امت کی شہادت علی الناس کی ذمہ داری۔

آئیے، ہم اپنا جائزہ لیں کہ آیا ہم تینوں سطحوں پر شہادتِ حق کی ذمہ داری ادا کررہے ہیں یا نہیں۔

قولی سطح پر گواہی کا تقاضا یہ ہے کہ پوری نوع انسانی تک قرآن کا پیغام پہنچایا جائے، دنیا کی ہر زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جائے اور اس کی وضاحت بھی ہو۔ امت کی سطح پر یہ کام کسی درجے میں سعودی عرب میں ہوا ہے۔ سعودی حکومت نے بڑے پیمانے پر مختلف زبانوں میں ترجمے کیے اور دنیا بھر میں پھیلائے۔ دنیا میں بولی جانے والی زبانیں تو بہت زیادہ ہیں تاہم جو معروف زبانیں ہیں، ان میں قرآن حکیم کے تراجم کردیے گئے اور قرآن کے نسخے دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ مدینہ منورہ میں مجمع الملک فہد کے زیراہتمام لاکھوں کی تعداد میں قرآن چھپ رہے ہیں۔

انفرادی سطح پر قولی گواہی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص داعی بنے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً)) ''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت ہو۔'' ہم میں سے ہر ایک کی یہ ذمہ داری ہے کہ قرآن حکیم کے جو احکام معلوم ہیں، وہ آگے پہنچائیں۔

عملی گواہی یہ ہے کہ ہم مسلمان دین کا عملی نمونہ بنیں۔ افسوس کہ آج ہم نے اپنے وجود پر شریعت کو قائم و نافذ نہیں کیا بلکہ اخلاق و کردار کے بحران کا شکار ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہمارا اعلیٰ کردار دیکھ کر لوگ اسلام کی طرف مائل ہوتے، ہمارے پست کردار کو دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے دور ہورہے ہیں۔ گویا ہم دین کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

کرپشن میں سب سے آگے ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں میں سے بھی ہم اہل پاکستان کا حال انتہائی شرمناک ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب بھی دنیا بھر میں کرپٹ ممالک کی Rating ہوتی ہے تو 180 ممالک میں پاکستان کبھی تیسرے نمبر پر آتا ہے اور کبھی چوتھے نمبر پر۔ یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

کیا اسلام کا یہ عملی نمونہ ہے جو ہم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟ دراصل ہم اپنے کردار سے دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ اسلام کے قریب نہ آنا۔ کردار و عمل کے سانچے جو تم نے بنا رکھے ہیں وہی درست ہیں، تمہارا مذہب و مسلک ہی صحیح ہے، تمہاری تہذیب ہی قابل فخر اور تمہارا کلچر ہی لائق تقلید ہے۔

گواہی کی تیسری سطح یہ ہے کہ دین کو قائم کرکے دکھادیا جائے۔ دین حق کے نظام عدل اجتماعی میں ہر سطح پر عدل و انصاف ہے، انسانی حقوق کی گارنٹی ہے، اور یہ امن وامان کا ضامن ہے۔ افسوس کہ اس وقت دنیا میں 57 مسلمان ممالک موجود ہیں، لیکن کسی ایک ملک نے بھی اسلام کو قائم اور نافذ نہیں کیا، بلکہ مسلمان حکمران اس کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں، اور اسلام کی رہی سہی شناخت کو بھی ختم کرنے کے درپے ہیں۔ اور یوں وہ دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ خبردار، اسلام کے قریب مت آنا، ہماری شریعت آج کے دور میں قابل نفاذ ہی نہیں ہے، اگر آج کے دور میں یہ قابل عمل ہوتی تو سب سے پہلے ہم اس سے فائدہ اُٹھاتے۔ دیکھو، ہم نے اپنے 57 اسلامی ممالک میں کہیں بھی شریعت کو نافذ نہیں ہونے دیا، بلکہ جو شریعت کا نام لیتے ہیں، ہم انہیں گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔

برادرانِ اسلام! ٹھنڈے دل سے سوچیے، جو کام ہم نے کرنا تھا کیا ہم اس کے سو فیصد الٹ کام نہیں کررہے ہیں؟ اب خود ہی بتایئے کہ ہماری طرف سے گواہی دین کے حق میں جارہی ہے یا اس کے خلاف؟ اور اگر واقعی ہم دین کے خلاف گواہی دے رہے ہیں، تو پھر اللہ کی مدد کیوں آئے گی۔ پھر ہمیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اور

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

واضح طور پر یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ کی رحمت اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ تب ہوگی جب ہم یہ ذمہ داری ادا کریں گے۔ اور اگر ہم یہ ذمہ داری ادا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے خود اللہ کی رحمت کو اپنے سے دور کرلیا۔ ہم نے زبان حال سے یہ کہہ دیا کہ ہمیں اللہ کی مدد و نصرت کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھیے، اللہ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ دین سے وفاداری کی بنیاد پر ہماری نصرت فرمائے گا، ورنہ غیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں پھینک دے گا۔ اس نے اعلان فرمادیا ہے:

''اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

(آل عمران:160)

یہ ہے قرآن کا واضح پیغام۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسے سمجھنے اور فریضہ شہادت علی الناس کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ڈیموکریٹک پاکستان یا اسلامی جمہوری پاکستان

نعیم اختر عدنان

وطن عزیز پاکستان دنیا کے ان خوش نصیب ممالک میں سے ایک ہے جسے قادر مطلق نے بیک وقت چار موسموں سے نواز رکھا ہے۔ پاکستان شاید دنیا کا واحد ملک ہے جہاں وقفے وقفے سے ملک کا نظام حکومت بھی موسموں کی طرح بدلتا رہتا ہے۔ اہل پاکستان کو کبھی سول بیورو کریسی اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے تو کبھی فوجی جنتا اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ کبھی جاگیر دار اپنی رعایا بنا لیتے ہیں تو کبھی سرمایہ دار اسے اپنا ادنیٰ ملازم قرار دے کر اقتدار کے مزے لوٹتے ہیں۔ کبھی ملک پر جنگل کا قانون یعنی مارشل لاء مسلط کر دیا جاتا ہے تو کبھی جمہوریت آ دھمکتی ہے۔ عوام الناس ان چکروں کے اندر سسک سسک کر جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان کے لوگوں نے سکندر مرزا کی آمرانہ حکومت بھی دیکھی اور ایوب خان کی فوجی آمریت کو بھی برداشت کیا۔ یحییٰ خان کا منحوس دور حکومت بھی پاکستان کے عوام کا مقدر بنا تو ذوالفقار علی بھٹو کے عوامی اور جمہوری دور سے بھی اہل پاکستان لطف اندوز ہوئے۔ ضیاء الحق کے طویل مارشل لاء کو اہل وطن نے اپنا مقدر جانا تو بے نظیر اور میاں نواز شریف کے ادوار حکومت سے بھی کسب فیض حاصل کیا۔ جنرل پرویز مشرف کے منفرد دور حکومت کو بھی عوام نے خوب انجوائے کیا۔

یاد ش بخیر اس وقت ملک پر پھر جمہوریت کی دیوی یا بقول اقبال ”جمہوریت کی نیلم پری“ جلوہ افروز ہے۔ بے نظیر بھٹو کی المناک شہادت کے نتیجے میں اور جمہوری سیاست کی برکت سے جناب آصف علی زرداری پیپلز پارٹی کے جیالے کی حیثیت سے صدر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر ہونے کے ناطے ملک کی تعمیر و ترقی کا خیال انہیں نہیں ہوگا تو اور کس کو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جناب آصف علی زرداری کو نہ دن کو آرام ملتا ہے اور نہ رات کو چین ہے۔ اس ”عظیم“ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ بیرونی دنیا کے دوروں پر ہی اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ شاید ضمنی طور پر شہید بی بی اور اپنی بیوی بے نظیر صاحبہ کی ہمیشہ کی فرقت اور جدائی کے صدمے کا غم غلط کرنے کے لیے نجی مصروفیات کا بھی کافی اہتمام کرتے ہیں۔ یار لوگ پھر بھی صدر مملکت کی بے پناہ بیرونی مصروفیات کو شک کی نظر سے دیکھیں تو یہ لوگوں کی اپنی مرضی ہے شاعر نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے ”اچھوں کو برا کہنا دنیا کی پرانی عادت ہے“ قارئین، ہم نے اس وقت جو قلم اٹھایا ہے اس کی وجہ بھی وطن کی محبت اور جذبہ حب الوطنی ہے، اس لیے کہ وطن کی محبت ہمارے دین کی تعلیم بھی ہے اور یہی ہماری پہچان بھی ہے۔

پاکستان کی موجودہ جمہوری حکومت کے زیر سایہ ہر جگہ، ہر وقت، ہر شب اور ہر دن تقاریر میں، مذاکرات میں، مقالات میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر ایک ہی راگ لایا جا رہا ہے وہ راگ ہے ”ڈیموکریٹک پاکستان“ ”فرینڈز آف ڈیموکریٹک پاکستان“۔ اب کچھ عرصہ سے ملکی میڈیا کے لیے اسی اصطلاح کو ”احباب پاکستان“ نام دے دیا گیا ہے۔ پاکستان کا آئینی نام "Islamic Republic of Pakistan" یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ مگر ہمارا حکمران طبقہ شعوری طور پر ملک کے نام سے ”اسلامی“ کا لفظ حرف غلط کی طرح مٹانے پر تلا ہوا ہے، مگر ابھی تک ہماری معلومات کی حد تک اس رجحان کو کسی بھی لیڈر نے اہمیت نہیں دی۔ شاید اسی لیے اس بات کا نوٹس نہیں لیا گیا۔

مملکت خداداد پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی ایک موقع آیا جب وقت کے حکمران نے ملک کے نام سے ”اسلامی“ کا نام حذف کرنے یا الگ کرنے کی کوشش کی مگر ایک محب وطن بیوروکریٹ کی وجہ سے وہ اپنے مذموم اور ناپاک ارادے سے باز آ گئے۔ مگر اب پاکستان میں ابھی تک کوئی ایسا شخص منظر عام پر نہیں آیا جو قدرت اللہ شہاب کا کردار ادا کرتے ہوئے جناب آصف علی زرداری کو ملک کے آئینی و دستوری نام سے انحراف کرنے سے روک دے۔ کوئی جناب آصف علی زرداری سے یہ ببانگ دہل کہہ سکے کہ ”پاکستان کھپے“ سے بات نہیں بنے گی، بلکہ ہمیں ”اسلامی جمہوری پاکستان“ کا نعرہ بلند کرنا ہوگا، اس لیے کہ پاکستان کا مکمل اور آئینی اسلامی جمہوری پاکستان ہے۔ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان ایوب خان جب ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے اور جمہوری کے بجائے آمرانہ اختیارات کے مالک تھے مگر اپنے سیکرٹری جناب قدرت اللہ شہاب کی بروقت ”جرأت رندانہ“ سے وہ نہ صرف اپنے ارادے سے باز آ گئے بلکہ ایک محب وطن شخص کی طرح درست حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا "Pakistan has no Escape from Islam" قدرت اللہ شہاب نے اپنی مشہور کتاب ”شہاب نامہ“ میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے جو کچھ اس طرح سے ہے ”......بطور سیکرٹری کام شروع کرتے ہی میرے دل میں یہ بات کھٹکی کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد اب تک جتنے سرکاری اعلانات، قوانین اور ریگولیشن جاری ہوئے ہیں، ان میں صرف حکومت پاکستان کا حوالہ دیا ہے، حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ شاید ڈرافٹنگ میں غلطی سے ایک آدھ بار یہ فروگزاشت ہو گئی ہوگی۔ لیکن جب ذرا تفصیل سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا جس تواتر سے یہ فروگزاشت دہرائی جا رہی ہے، وہ سہواً کم اور التزاماً زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اس پر میں نے ایک مختصر سے نوٹ میں صدر ایوب کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ اگر وہ اجازت دیں تو وزارت قانون اور مارشل لاء ہیڈ کوارٹر کی توجہ اس صورت حال کی طرف دلائی جائے اور ان کو ہدایت دی جائے کہ جاری شدہ تمام اعلانات اور قوانین کی تصحیح کی جائے اور آئندہ کے لیے اس غلطی کو نہ دہرایا جائے۔

صدر ایوب کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ فائلیں اور دوسرے کاغذات روز کے روز نپٹا کر میرے پاس واپس بھجوا دیا کرتے تھے۔ لیکن معمول کے برعکس یہ نوٹ کئی روز تک میرے پاس نہ آیا۔ 5 نومبر 1958ء کی شام میں اپنے دفتر میں بیٹھا دیر تک کام کر رہا تھا۔ باہر لان پر صدر ایوب اپنے چند رفیقوں کے ساتھ کسی معاملے پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جب سب لوگ چلے گئے تو صدر میرے نوٹ کا پرچہ ہاتھ میں لیے میرے کمرے میں آئے وہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھے۔ آتے ہی انہوں نے میرا نوٹ میرے حوالے کیا اور کہا۔ ”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ڈرافٹنگ میں کسی نے کوئی غلطی نہیں کی، بلکہ ہم نے سوچ سمجھ کر یہی طے کیا ہے کہ اسلامی ری پبلک آف پاکستان سے اسلامی کا لفظ نکال دیا جائے۔“

”یہ فیصلہ ہو چکا ہے یا ابھی کرنا ہے؟“ میں نے

پوچھا۔ بحوالہ: President's Order (Post Proclamation) No. 1 of 1958) Laws (Continuance in Force), Order, 1958 October, 1958)

> **پاکستان کا آئینی نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔ مگر ہمارا حکمران طبقہ شعوری طور پر ملک کے نام سے "اسلامی" کا لفظ حرفِ غلط کی طرح مٹانے پر تلا ہوا ہے**

صدر ایوب نے کسی قدر غصے سے مجھے گھورا اور سخت لہجے میں کہا "ہاں، فیصلہ ہو گیا ہے۔ کل صبح پہلی چیز مجھے ڈرافٹ ملنا چاہیے۔ اس میں دیر نہ ہو"۔ اتنا کہہ کر وہ خدا حافظ کہے بغیر تیز تیز قدم اُٹھاتے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو میں بھی ان کے پیچھے بھاگتا اور انہیں روک کر پوچھتا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان سے "اسلامی" کا لفظ حذف کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ لیکن اتنی ہمت مجھ میں نہ تھی۔ میں بھی دم دبائے چپ چاپ گھر واپس آگیا۔ بڑے سوچ بچار کے بعد صبح کے قریب میں نے پریس ریلیز تو تیار نہ کیا بلکہ اس کی جگہ دو ڈھائی صفحوں کا ایک نوٹ لکھا، جس کا لب لباب یہ تھا کہ پاکستان کو اسلام سے فرار ممکن نہیں۔ اس ملک کی تاریخ پرانی لیکن جغرافیہ نیا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ریڈ کلف لائن صرف اسی لیے کھینچی گئی تھی کہ ہم نے یہ خطہ ارضی اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا۔ اب اگر پاکستان سے اسلام کا نام الگ کر دیا گیا تو حد بندی کی یہ لائن معدوم ہو جائے گی۔ ہم پاکستانی صرف اسی لیے بنے کہ ہم مسلمان تھے۔ اگر افغانستان، ایران، مصر، عراق اور ترکی اسلام کو خیر آباد کہہ دیں تو پھر بھی وہ افغانی، ایرانی، مصری، عراقی اور ترک ہی رہتے ہیں۔ لیکن ہم اسلام کے نام سے راہ فرار اختیار کریں تو پاکستان کا اپنا الگ کوئی وجود قائم نہیں رہتا ہے۔ اس لیے اسلام ہماری طبع نازک کو پسند خاطر ہو نہ ہو، اسلام ہماری طرز زندگی کو راس آئے نہ آئے، ذاتی طور پر ہم اسلام پر عمل کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اگر آخرت کے لیے نہیں تو اس چند روزہ زندگی میں خود غرضی کے طور پر اپنے وطن کی سلامتی کے لیے ہمیں اسلام کا ڈھول اپنے گلے میں ڈال کر بر سر عام ڈنکے کی چوٹ بجانا ہی پڑے گا۔

میں نے استعفا بھی لکھ لیا کہ خرابی صحت کی بنا پر میں کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے میرا استعفا منظور کر کے مجھے ریٹائر ہونے کی اجازت دی جائے۔ یہ دونوں چیزیں میں نے اپنی بیوی کو دکھائیں تو اس نے مجھے خوب شاباش دی اور غالباً میرا دل بڑھانے کو کہا، "مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ انگریزی بھی اتنی اچھی لکھ لیتے ہیں"۔

یہ بات سن کر میں جل گیا۔ "محترمہ تم انگریزی زبان کے چسکے میں پڑ گئی ہو۔ یہ نہیں دیکھا کہ میں نے استعفا بھی لکھ رکھا ہے۔ شاید سچ مچ اس کی نوبت بھی آجائے۔ اس کے متعلق کیا خیال ہے"؟ اس نے کہا ظاہر ہے کہ اس معاملے میں اگر آپ کی بات رد ہو گئی تو استعفا دے دینا چاہیے۔ یہ نوکری چلی گئی تو کچھ اور کام کر لینا۔ کسی کام کو جی نہ چاہے، تو آرام سے گھر بیٹھ کر لکھنا پڑھنا۔ آخر میں نے ڈاکٹری کی ڈگری کس روز کے لیے لی ہے۔"

ہماری شادی کو ابھی صرف ڈیڑھ برس ہوا تھا۔ میں دفتر جانے لگا تو عفت غالباً شرارتاً بولی، آپ صورت حال سے نپٹ لیں گے یا میں بھی ساتھ چلوں؟" میں اپنے آفس وقت سے پہلے پہنچ گیا۔ خیال تھا کہ صدر ایوب کے آنے سے پہلے اپنا نوٹ ٹائپ کروا رکھوں گا۔ لیکن وہاں دیکھا تو صدر صاحب پہلے ہی برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کمرے میں آگئے اور پوچھا ڈرافٹ تیار ہے؟ میں نے جواب دیا تیار تو ہے لیکن ابھی ٹائپ نہیں ہوا۔ "کوئی بات نہیں" انہوں نے کہا" ایسے ہی دکھاؤ" وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ پڑھنے لگے۔ چند سطریں پڑھ کر کچھ چونکے اور پھر از سر نو شروع سے پڑھنے لگے۔ جب ختم کر چکے تو کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر آہستہ سے بولے۔ "Yes, Right You Are" یہ فقرہ انہوں نے دوبارہ دہرایا اور پھر نوٹ ہاتھ میں لیے کمرے میں چلے گئے۔ اس کے بعد اس موضوع پر پھر کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ چند روز بعد میں کچھ فائلیں لے کر صدر ایوب کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنے ڈاک دیکھ رہے تھے۔ ایک خط پڑھ کر بولے۔ کچھ لوگ مجھے خط لکھتے ہیں، کچھ لوگ ملنے بھی آتے ہیں اور کہتے ہیں دنیا بدل گئی ہے۔ اب ماڈرن ازم اور اسلام اکٹھے نہیں چل سکتے۔ میں ان سے کہتا ہوں "Pakistan has no Escape from Islam" اس کے بعد انہوں نے پے در پے میرے نوٹ کے کئی اور فقرے بھی دہرائے...... ان میں یہ عجیب صلاحیت تھی کہ اگر کوئی بات واقعی ان کے دل میں گھر کر جاتی تو وہ بڑی معصومیت سے اسے اپنا لیتے تھے۔ (شہاب نامہ صفحہ 719 تا 722)

راہِ عمل

نزول قرآن کیوں؟

خادم انصاری

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو انسان کی ہدایت کے لیے نازل کیا ہے۔ ہر پاکستانی کو چاہیے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس ملک میں اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کرے۔ جب اسلام مغلوب ہو تو درحقیقت اسلامی انقلاب ہی اللہ کی راہ، اللہ کا راستہ ہے۔ مراسم عبودیت اور رفاہِ عامہ کے کام تو دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی انجام دیتے ہیں۔ ان کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن دینِ حق پر مبنی نظام کو قائم کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کا نام اسلامی انقلاب ہے۔ اسی لیے قرآن نازل ہوا کہ وقت کے ظالمانہ نظام کو بدلے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے ایک جماعت تشکیل دی جس کا مقصد اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنا تھا۔ آپؐ نے اس کام میں انتھک کوشش اور جدوجہد کی۔ ساتھیوں کی تعداد بڑھاتے ہوئے جماعت کی رہبری اور تربیت بھی کرتے رہے۔ بہت سے ساتھی اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے جذبے سے اس انقلابی جماعت میں شامل ہوئے۔ آخر کار باطل سے ٹکرانے کا وقت آگیا۔ اللہ نے مدد کی اور مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ مکہ فتح ہو گیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فوراً شریعت نافذ کر دی۔ یہ معرکہ محمد ﷺ کی زندگی کا ایک شاہکار کارنامہ اور آپؐ کی عظیم سنت ہے۔

آج پاکستان کے مسلمان کئی مسالک اور فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ سب کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ توحید پرست ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہیں۔ دراصل علماء حضرات نے محمد ﷺ کی عظیم سنت کو بھلا دیا ہے۔ وہ بھی اسلامی قانون کے بارے میں بیان نہیں کرتے۔ محض نماز کو جنت کی کنجی سمجھ کر وہاں جانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ نمازیوں کی اکثریت اللہ کی صفات میں غیر اللہ کو شریک کرتی ہے۔ ایسے نمازی بھی ہیں جو ناجائز کاروبار کر کے حرام کا لقمہ کھا رہے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کی نمازیں جنت کی کنجی ثابت ہوں گی؟ علماء حضرات سے اپیل ہے کہ وہ پاکستان کو بچانے کے لیے اللہ کی راہ اختیار کریں۔ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لیے انقلاب کا راستہ اختیار کریں۔ یہی درسِ قرآن کی روح ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہمارا شمار اللہ کی نافرمان قوموں میں ہوگا۔ قرآن گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمان قوموں کو دردناک عذاب دیتا ہے۔ فیصلہ اب علماء حضرات کے ہاتھ میں ہے!

رسول کریمؐ نے فرمایا: ”حنظلہ تم آہستہ آہستہ ہی ایمان کے اعلیٰ درجات تک پہنچو گے“

قرآن مجید: منبع ایمان و یقین

حافظ محمد مشتاق ربانی

اللہ تعالیٰ کے جو فرمودات اور احکامات نبی کریمؐ کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں ان کو دل سے سچا جان کر ان کا اقرار کرنے اور ان پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ گویا ایمان ایک ایسے اقرار کا نام ہے جو انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے کہ ہر حالت میں اسی کا اظہار ہو اور یہ ایسی تصدیق ہے جس کے بعد دل میں کوئی شک پیدا نہ ہو۔ اس اقرار و تصدیق کے بعد انسان کے افکار و نظریات اسی کے سائے میں ابھریں، اسی کے سانچے میں اس کے اقوال و اعمال ڈھلیں اور انسان کا تمدنی، سیاسی اور معاشرتی نظام اسی اقرار و تصدیق کی بنیادوں پر قائم ہو۔

لغت میں لفظ ایمان کا اطلاق محض تصدیق پر ہوتا ہے اور قرآن حکیم میں اس کا مفہوم استعمال بھی ہوا ہے جیسا کہ برادران یوسف نے اپنے باپ سے کہا: ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ o﴾ (یوسف:۱۷) ”آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔“ اور جب مطلق طور پر لفظ ایمان استعمال ہو تو اس وقت شرعی ایمان مراد ہوتا ہے جو اعتقاد، قول اور عمل کا مجموعہ ہے۔

ایمان کے کئی مباحث ہیں جن میں ایک بحث ایمان کا بڑھنا اور گھٹنا ہے۔ ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے بارے میں دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ ”الایمان لا یزید ولا ینقص“۔ ”ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے“۔ یہ رائے ان لوگوں کی ہے جو عمل کو ایمان کا حصہ نہیں سمجھتے ہیں۔ دوسری رائے ہے: ”الایمان یزید و ینقص“ یعنی ”ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے“۔ یہ رائے وہ اہل علم رکھتے ہیں جو عمل کو ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔

ایمان کے بڑھنے کے حوالے سے کئی شواہد ہیں جیسا کہ غزوۂ احد کے بعد مسلمان کفار و مشرکین کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تو کفار و مشرکین نے مسلمانوں کو ان کے تعاقب کو روکنے کے لیے مدینہ منورہ میں ایسی خبریں پھیلائیں، جن سے مسلمان خوفزدہ ہو کر تعاقب سے باز رہیں، لیکن ان وحشت اور خوف پیدا کرنے والی خبروں سے مسلمان نہیں گھبرائے بلکہ ان کے ایمان میں اور اضافہ ہوا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ o﴾

(آل عمران:173)

”جب ان سے لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ لوگوں (کفار) نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (ایک بڑا لشکر) جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو، تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔“

جس طرح اچھا کام کرنے سے ایمان میں بڑھوتری ہوتی ہے، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت سے ایمان متاثر ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث نبوی ہے ((لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن......)) کوئی شخص حالت ایمان میں بدکاری نہیں کرتا۔“ (یعنی اسی وقت وہ بدکاری کرتا ہے جب وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے۔)

ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے تجربات بیان کیے ہیں۔ حضرت حنظلہؓ (الاسیدی) کا واقعہ سنن ابن ماجہ (کتاب الزھد) میں ہے۔ وہ اور دیگر صحابہ کرامؓ آنجنابؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپؐ نے ان کے سامنے جنت اور دوزخ کا ذکر کیا تو انہیں ایسے لگا جیسے وہ اپنی آنکھ سے جنت و دوزخ دیکھ رہے ہیں۔ (اس محفل کے بعد) حضرت حنظلہؓ اپنے اہل و عیال کے پاس چلے گئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہنسی اور کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران انہیں جنت و دوزخ کے وہ مناظر دوبارہ ذہن میں آ گئے جو نبی کریم ﷺ کی محفل میں انہوں نے دیکھے تھے۔ حضرت حنظلہؓ اپنے اہل و عیال سے اٹھ کر نبی کریم ﷺ سے اپنی یہ کیفیت بتانے جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی تو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ”میں منافق ہو گیا، میں منافق ہو گیا۔“ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جیسی صورتِ حال کا آپ کو سامنا ہے اسی طرح کی صورت حال ہمیں بھی پیش ہے۔ حنظلہؓ نبی کریم ﷺ سے ملے اور انہیں اپنے بارے میں بتایا تو نبی کریمؐ نے فرمایا: ”اگر آپ لوگ اسی حالت پر باقی رہ جائیں جس پر میرے پاس رہتے ہوتے تھے تو فرشتے آپ لوگوں سے آپ کی مجلسوں میں اور راستوں میں ملاقات کرنے لگیں، لیکن حنظلہ، آہستہ آہستہ ہی ایمان کے اعلیٰ درجات تک پہنچو گے۔“

ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کی علمی بحث کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن اس وقت زیادہ ضرورت ہمیں اس بات کی ہے کہ ہم تلاش کریں کہ کس ذریعہ سے ہمارے ایمان میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ایمان بڑھانے کا سب سے موثر ذریعہ قرآن حکیم ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال:2) ”اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔“ گویا قرآن حکیم کی سماعت و تلاوت، اس پر تدبر اور اس پر عمل کرنے سے ایمان کا گراف بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس قرآن کا اثر منافقین کے دلوں پر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ محسوس ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں منافقین نے سن رکھا تھا کہ قرآن سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ استہزا کے طور پر اپنے میں سے ایسے آدمی کی تلاش برابر جاری رکھتے جس کے ایمان میں قرآن حکیم کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہو، لیکن انہیں ایسا آدمی کیسے مل سکتا تھا جس کے ایمان میں قرآن کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہو کیونکہ وہ ایسے شخص کی تلاش اپنے ہی جیسے لوگوں میں سے کرتے جن کے ایمان میں اضافہ کی بجائے ان کے دلوں پر کفر و نفاق کی تہیں اور جمتی جاتیں تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ o وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ o﴾ (التوبہ:124،125)

”اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔“

قرآن حکیم کے ذریعے سے ایمان بڑھنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارا وجود جسد اور روح کا مرکب ہے۔ جسد کی تمام ضروریات اس زمین سے پوری ہوتی ہیں لیکن ہماری روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے جس کی غذا نور وحی سے ہی ممکن ہے، جو ہمارے پاس قرآن حکیم کی صورت میں ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم سے ہمیں فیضیاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلافت کا خاتمہ کیسے ہوا؟ (۲)

خفیہ خط میں برطانوی انٹیلی جنس ایجنٹ کے اہم انکشافات

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس تبدیلی کے بعد فری میسن لاجز مقدونیہ کے تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں قائم ہوتی چلی گئیں۔ دارالحکومت میں تو صرف پچھلے سال اس کی بارہ لاجز کام کرنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک پروپیگنڈا مہم شروع کردی گئی اور ایسے تمام لوگوں کو جو اہم عہدوں پر فائز تھے یہ باور کرایا گیا کہ اگر وہ اپنی پوزیشن برقرار رکھنے یا ترقی کرنے کے خواہش مند ہیں تو انہیں فری میسن تحریک سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگوں سے تو یہاں تک کہہ دیا گیا کہ اگر وہ فری میسن تحریک سے وابستہ ہوجائیں تو ان کا ملک ترقی کی راہ پر تیزی سے گامزن ہوجائے گا اور مصر، کویت اور دوسرے ممالک کے لوگ ان کے لیے جو مشکلات کھڑی کرتے ہیں وہ رفع ہوجائیں گی کیونکہ فری میسن تحریک ان کے لیے سیاسی دنیا کو ایک کھلی کتاب کی طرح بنا کر رکھ دے گی۔ چونکہ انگلستان کا بادشاہ بھی اس تحریک میں شامل ہے، اس لیے وہ اس کے بھائی بن جائیں گے اور جب بھی قسطنطنیہ آئے گا تو وہ ان سے ہاتھ بھی ملائے گا اور نیک خواہشات کا اظہار بھی کرے گا۔ چنانچہ جو نئے لوگ فری میسن تحریک میں شامل ہوئے تھے، انگلستان جانے لگے اور انگلستان میں پہلے سے قائم برطانیہ کی فری میسن لاج میں انہیں بآسانی داخلہ بھی ملنے لگا۔ جو نئی فری میسن لاجز قائم کی گئیں، ان کے ممبران کو غلط بیانی کرکے یہ باور کرایا گیا کہ مصر کی طرح وہ قدیم اسکاٹ لینڈ کی روایات کے پیروکار ہیں اور یہ کہ ان کے پاس اسکاٹ لینڈ کی گرانڈ لاج کا چارٹر ہے اور انگلستان کا بادشاہ اس کا محافظ ہے۔ یہ غلط بیانی اس لیے کی گئی کہ سلطنت عثمانیہ کا ہر طبقہ انگلستان کے فیصلہ سے بے حد مرعوب تھا۔ فوج پر کمیٹی کے اختیار کو برقرار رکھنے کے لیے فوج کے افسران خاص طور سے جونیئر افسران کو فری میسن بنایا گیا اور ان کی پذیرائی ایک لاج جس کو "رسنہ" کہتے تھے، میں کی گئی۔ کمیٹی کے بیشتر نمائندے اور سینئر بھی فری میسن بن گئے تھے۔ ان کا جس لاج سے تعلق استوار کیا گیا اس کے ذمہ دار افسران میں طلعت بے وزیر داخلہ اور جاوید بے وزیر مالیات تھے۔

حزب اختلاف کے کچھ نمائندوں خاص طور سے عرب لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ انہیں نظر انداز کیا جارہا ہے اور مقامی سیاست میں ان کو کوئی مقام نہیں مل رہا تو انہوں نے لاجز بنانا شروع کردیں یا پہلے سے موجود لاجز کے ممبر بننے لگے۔ انہوں نے "اخوت عثمانی" اور "محبان حریت" کی لاجز تشکیل دیں۔

ان لاجز کے علاوہ 1909ء اور 1910ء میں قسطنطنیہ میں حسب ذیل لاجز قائم کی گئیں: "وفا اور نیشنل تنظیم ملی برائے ترقی"، "بائی زن شیور سوٹو"، "لاوریتاس"، "لاپاطری"، "لارینے سا" اور مقدونیہ رسورٹا اور "شفق" اس نام سے مصر کی زیرزمین سیاست کے طلبا اچھی طرح واقف تھے۔ ان تمام لاجز کے روح رواں یہودی تھے یا ان کے زیراثر یونانی، آرمینیائی یا مقامی عیسائی۔ اوپر مصر کے شہزادہ سعید حلیم کا ذکر آچکا ہے۔ وہ، ان کے بھائی عباس حلیم، شہزادہ عزیز حسن اور دوسرے مصریوں نے کمیٹی برائے اتحاد وترقی کا دامے درمے سخنے ساتھ دیا کیونکہ سلطنت عثمانیہ کے مصر میں نمائندے ہز ہائی نس خدیو سے مصریوں کو سخت نفرت تھی۔ اس لیے مصر کے فری میسن اور ترکی کے فری میسن تحریک کے ممبران میں اشتراک ہوا لیکن اس اشتراک کے متعلق متضاد رپورٹیں ملتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خطہ کے متعلق صحیح تجزیہ کوئی بھی نہیں کرپایا۔ بڑے بڑے فری میسن ممبران نے بھی متضاد رپورٹیں دی ہیں۔

ادریس بے راغب جو مصر کی گرینڈ لاج کا اعلیٰ ترین عہدیدار ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ کی گرینڈ لاج نے اسے تسلیم کرلیا ہے۔ وہ مصر، شام، فلسطین اور لبنان کی فری میسن لاجز پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ لبنان میں بیشتر فری میسن رومن کیتھولک ہیں۔

محمد عرفی پاشا نے مصر، یروشلم اور جنوبی شام میں چند لاجز قائم کیں اور چاہتا تھا قسطنطنیہ کی لاجز بھی اس کے زیراثر آجائیں اور اسی حکم کے لیے وہ 1909ء کے موسم بہار میں قسطنطنیہ پہنچا تھا۔ اسے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور جب 13/اپریل کی بغاوت ہوئی تو وہ خوفزدہ ہوکر فوراً مصر بھاگ گیا۔ ان واقعات سے کچھ عرصہ پہلے ادریس بے راغب نے شہزادہ عزیز حسن کو اس بات کے اختیارات سونپے کہ وہ قسطنطنیہ کی فری میسن لاجز کو مصری گرینڈ لاج کے ماتحت کردے۔ شہزادہ عزیز حسن اسکندریہ کی اطالوی لاج میں سترہ درجہ پر فائز تھا۔ اس دوران مقدونیہ کی فوجیں دارالخلافہ میں داخل ہوگئیں۔ ان فوجوں کی سربراہی بھی فری میسنوں کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان عبدالحمید کی معزولی سے کچھ عرصہ قبل بگڑتے ہوئے حالات کو درست کرنے کے لیے گفت وشنید شروع ہوئی۔ سلطان عبدالحمید فری میسنوں کے سخت خلاف تھے۔ وہ انہیں ایک خطرناک اور خفیہ سوسائٹی کا فرد سمجھتے تھے۔ حکومت اور فری میسنوں کے درمیان گفت وشنید جولائی یا اگست میں ہوئی۔ اسی دوران میں طلعت بے کو، جو وزیر داخلہ تھا، گرینڈ ماسٹر بنا دیا گیا۔ مقدونیہ کی فوجوں کی 1909ء میں فتح اور سلطان عبدالحمید کی افواج کی شکست سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اٹلی کے فری میسنوں کو مصر کے فری میسنوں پر جنہیں برطانیہ نے تسلیم کرلیا تھا، برتری حاصل ہے۔ اس لیے قسطنطنیہ کی تمام فری میسن لاجز اور مقدونیہ کی لاجز بتدریج اٹلی کے زیراثر آگئیں۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ شام اور مصر کی لاجز عثمانیہ گرینڈ لاج کے ماتحت کردی جائیں۔ اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے شہزادہ عزیز حسن اور سکاکینی مصر روانہ ہوگئے لیکن ادریس بے راغب اور کچھ دوسرے لوگ اس بات کے خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مصر اور لبنان کی مخصوص حیثیت ہے اس لیے فری میسن تحریک میں انہیں آزاد حیثیت دی جانی چاہیے۔ اس دوران شہزادہ عزیز حسن اور ادریس بے راغب میں ان بن ہوگئی۔ شہزادہ عزیز نے پہلے ادریس بے راغب کو قسطنطنیہ سے بھیجا تھا لیکن پھر طلعت بے کی طرف سے احکام آئے کہ محمد فرید کو جو ایک مصری قوم پرست لیڈر تھا، قسطنطنیہ کی فری میسن گرین اور بینٹ کے مندوب کی حیثیت سے مصر بھیجا جائے۔ خلیل حماد پاشا، شاہین مکاریس اور دوسرے اہم مصری فری میسنوں کو محمد فرید کا تقرر پسند نہ آیا۔ انہوں نے اس کے خلاف آواز بھی اٹھائی۔ سلطان کے نمائندہ خدیو مصر کو بھی یہ تقرر ناپسند تھا لیکن ایک مرتبہ تقرر ہوجانے کے بعد اسے واپس نہیں لیا جاسکتا۔ خلیل حماد پاشا نے اس کا یہ حل نکالا کہ مصر میں ایک علیحدہ فری میسن گرینڈ اور بینٹ قائم کردی جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ محمد فرید کو اس کا گرینڈ ماسٹر نہ بنایا جائے۔ خلیل حماد پاشا آج کل قسطنطنیہ

میں ہیں اور وہ کراسو سے رابطہ قائم کرکے چاہ رہے ہیں کہ ان کے دیئے ہوئے حل کو طلعت بے کے توسط سے روبہ عمل لایا جائے۔ شہزادہ عزیز حسن اور محمد فرید قسطنطنیہ کے لیے روانہ ہوگئے ہیں۔ جب طلعت بے نے اس امر کا اعلان کیا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ محمد فرید کو مصر کے لیے بطور مندوب نامزد کیا گیا اور وہ کمیٹی میں ان کے دوست ایسی حرکت

سلطان عبدالحمید نے میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں یہودیوں کی نیم خود مختار ریاست کی درخواست اس وقت مسترد کر دی جب مالیاتی طور پر اسے سخت مشکلات کا سامنا تھا

نہیں کرسکتے تو خیال یہی ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا تھا۔ انہوں نے غالباً جھوٹ اس لیے بولا تھا کہ کمیٹی کے راز افشاں نہ ہو جائیں۔

اس دوران سکا کینی بھی مصر و شام ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچ گیا ہے۔ شام میں اس نے کچھ دن قیام کیا تھا تا کہ وہاں کی فری میسن لاج کو گرینڈ اورینٹ سے وابستہ کر دیا جائے۔ اگر ترکی کی کمیٹی برائے اتحاد و ترقی کو مصر کی فری میسن لاجز کا کنٹرول مل جائے اور وہ ان میں قوم پرست عناصر داخل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ زیر زمین رازدارانہ طور پر کام کرکے اسی طرح کا دھماکا کرنے میں ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہو جائیں گے جس طرح کا دھماکا 1908ء میں سلونیکا میں ہوا تھا اور جس پر دنیا بھر میں حیرت ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا کہ ترکی میں یہودیوں کے نئے مذہبی پیشوا نے جو نہایت ہوشیار، ذہین اور باصلاحیت انسان تھا اور نوجوان ترکوں میں سے بعض کا اسکول کا ساتھی بھی تھا اور جس نے سلطان عبدالحمید کے محل میں لائبریرین بننے کی بارہا کوشش کی تھی، برطانوی سفارت خانہ کی مدد چاہی کہ ایک یہودی فری میسن "وینٹورا" (ventura) جو اطالوی شہریت کا حامل تھا اور تمباکو غیر قانونی طور پر لانے اور لے جانے کے کام میں ملوث تھا، اسے سوڈان سے ملک بدر بھی کیا گیا تھا، کئی سال پہلے اس نے اپنے آپ کو سلطنت عثمانیہ کا شہری ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا، یہ غیر قانونی کام وہ ایک شخص کارپورل وہائٹ کے لیے کر رہا تھا۔ کارپورل وہائٹ کو بھی سوڈان سے ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ "وینٹورا" نے اپنا مقدمہ قاہرہ میں دائر کیا کہ وہ بے قصور ہے لیکن عدالت نے اسے قصوروار ہی قرار دیا۔ قسطنطنیہ کے بڑے یہودی پیشوا نے دو سو صفحات کا ایک میمورینڈم تیار کیا جس میں اس نے وینٹورا کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوگیا اور اس نے وہ میمورنڈم مجھے (یعنی سر جیرالڈ لاؤتھر) کو دیا اور درخواست کی کہ میں اسے ایک تعارفی خط سرایرک گورسٹ کے لیے دوں تا کہ وہ (سرایرک گورسٹ) اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے مصری عدالت سے "وینٹورا" کو بری کروا دیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ ایسا کرنا ناممکن ہے کیونکہ اس طرح کی سفارش عدلیہ پر اثر انداز ہونے کے مترادف ہوگی۔ مزید یہ کہ یہ شخص ایک اطالوی باشندہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد ایک یہودی فری میسن جس کا نام ڈاکٹر فریج تھا، برطانیہ کی فری میسن لاج کے اعلیٰ عہدیدار کی طرف سے ایک تعارفی خط میرے عملہ کے ایک آدمی کے نام لایا اور اس سے درخواست کی کہ وینٹورا کے سلسلہ میں گورسٹ سے سفارش کر دے۔ جب اسے بتایا گیا کہ ایک برطانوی شہری کے لیے بھی اس طرح کی سفارش نہیں کی جاسکتی تھی تو اس کا لہجہ بالکل بدل گیا اور اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ یہ بے انصافی دور ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس کے لیے دنیا کی بڑی سے بڑی سفارش لائی جائے گی۔ اس میں برطانیہ کے ہاؤس آف لارڈس کے یہودی ممبر بھی ہو سکتے ہیں اور اگر ضروری ہوا تو مصر میں برطانوی پوزیشن کو یقینی دھچکا پہنچے گا۔ وہ آدمی پاگل نہیں تھا، وہ اپنے الفاظ بڑے نپے تلے الفاظ میں ادا کر رہا تھا۔

طلعت بے وزیر انصاف خانہ بدوشوں کے خاندان سے تھا۔ اس کا آبائی وطن "کرجالی" تھا۔ جو "اڈریانوپل" کے ضلع میں واقع ہے۔ جاوید بے وزیر مالیات ہے تو یہودی لیکن اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے۔ کابینہ کے یہی دو ممبر ہر معاملے کا فیصلہ کرتے ہیں اور یہ ترکی میں فری میسن تحریک کے معماروں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ امر کہ یہ لوگ سکا کینی کی طرح کے ایک آدمی کو ایجنٹ کے طور پر استعمال کریں، مختلف شبہات کو جنم دیتا ہے۔

طلعت بے جو تقریباً ایک سال پہلے وزیر داخلہ بنا تھا، وہ فری میسن کمیٹی کا جال پوری مملکت عثمانیہ میں پھیلا رہا تھا۔ وہ ایسے لوگوں کو گورنر اور ڈپٹی گورنر وغیرہ بنا رہا تھا جو فری میسن تحریک سے وابستہ تھے یا کمیٹی کے وفادار تھے۔ زیادہ تر دونوں صفات رکھتے تھے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر نمائندگان کی اکثریت کسی بھی وجہ سے طلعت اور جاوید کی وزارتوں کو گزند پہنچانے کی کوشش کریں تو جاوید بے فوراً ایوان نمائندگان کو برخاست کردے اور نئے الیکشن کروائے۔ اس الیکشن میں اپنے زیر اثر افراد کو منتخب کرانے کے لیے کمیٹی کے کلب اور فری میسن لاجز کام میں لائے جائیں گے۔ اس طرح ترکی میں اصل حکومت فری میسن کی گرینڈ اورینٹ کی ہے۔ جس کے گرینڈ ماسٹر طلعت بے ہیں۔ "انیسویں صدی" نامی رسالہ کے اپریل کے شمارہ میں یوجین ٹیورنیر کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں اس نے فرانس کی ریپبلک کو گرینڈ اورینٹ کی بیٹی لکھا ہے۔ یہ نام کمیٹی برائے اتحاد و ترقی پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے۔ چونکہ فری میسن اس کمیٹی کے پیروکار ہیں، اس لیے عوام کی اکثریت اس کے خلاف ہے۔ اس کا پہلا ہدف اسلامی قوانین تھے۔ وہ اس میں صرف تبدیلی کے خواہاں نہیں تھے بلکہ ان کی بیخ کنی کرنا چاہتے تھے۔ اکثر علماء کو ترغیب دی گئی کہ وہ فری میسن بن جائیں اور ان میں سے بعض بن بھی گئے۔ ان کے ناموں کی اشاعت سے عوام کو بہلایا جارہا ہے یا یوں کہیے کہ دھوکا میں رکھا جا رہا ہے۔ ایک ترک نے اس حرکت کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے: "عوام کو یہودی حشیش کھلا کر مدہوش کیا جا رہا ہے۔"

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے یا نوجوان ترک تحریک کو قریب سے دیکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ تحریک خاص طور سے یہودیوں کی چلائی ہوئی ہے اور کچھ ترک باشندے بھی اس میں شامل ہیں۔ اس سے سلطنت عثمانیہ کے بقیہ لوگوں مثلاً عربوں، یونانیوں، بلغاریہ والوں یا آرمینیا والوں کا کوئی تعلق نہیں۔ ترک اصل میں فوجی ہوتا ہے اور دستوری لحاظ سے وہ اپنے آپ کو دوسرے سے ممتاز سمجھتا ہے۔ وہ اپنے اس مرتبہ کو فوج کے ذریعے ہی قائم رکھ سکتا ہے۔ فوج پر ترکی اپنی قومی آمدنی کا نصف خرچ کرتا ہے اور فوج ہی کے ذریعے وہ غیر ترکوں کو دبا کر رکھتا ہے۔ دستور ایک طرح سے معاشی ترقی کا ضامن ہوتا ہے لیکن ترکی معیشت بڑی کمزور اور بوسیدہ ہے۔ بغیر سہارے کے وہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں چل سکتی۔ شروع شروع یہ اُمید تھی کہ آرمینیائی، بلغاریائی، یونانی اور سلطنت عثمانیہ کے یہودی باشندے معیشت کو سہارا دیتے رہیں گے لیکن نوجوان ترکوں نے صرف یہودیوں، عثمانی ترکوں اور باہر کے لوگوں پر انحصار کیا اور اپنی مملکت کی دوسری قوموں کو کلیتاً نظرانداز کیا۔ ایسی ہی صورت حال ہنگری میں دیکھنے میں آئی۔ ہنگری والے بھی کاروباری نقطۂ نظر سے ترکوں کی طرح ہیں۔ اس لیے ہنگری کی معیشت اور مالی معاملات پر یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ بعض ترک معاشیات پر تھوڑا بہت دھیان دیتے تھے۔ یہودیوں نے انہیں اپنے جال میں پھنسا لیا اور مالی منفعت کے لیے وہ اس جال میں پھنس بھی گئے۔ ترک

سلطنت میں یہودیوں کے بعض مقدس مقامات بھی آتے ہیں۔ یہ قدرتی امر ہے کہ وہ اس وجہ سے بھی ترک سلطنت میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے اس اثر و رسوخ کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے بھی استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کے ان عزائم میں فلسطین میں ایک یہودی ریاست کا قیام سرفہرست تھا۔

ان کے اس عزم کو اسرائیل زینگ ول نے ایک رسالہ "فورٹ نائٹلی ریویو" کے اپریل کے شمارہ میں نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسرائیل زینگ ول کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی پتھر سے دو چڑیاں مارنے میں کامیاب ہو جائے گا اگر وہ ترکوں سے ترکی سلطنت میں یہودیوں کی بلا روک ٹوک آبادکاری کا پروانہ حاصل کرلے۔ اس سے ایک طرف تو وہ روس اور رومانیہ میں زبوں حال یہودیوں کو وہاں سے نکال کر یہاں آباد کرکے ان کی زبوں حالی دور کر سکے گا اور دوسرے اس خطہ میں یہودی آبادی میں اضافہ ہوگا جو آئندہ فلسطین میں یہودی ریاست قائم کرنے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔ اس کے بدلے میں اس نے نوجوان ترکوں کو یہ پیش کش کی کہ وہ اپنی مادری زبان کو خیرباد کہہ کر ترکی زبان استعمال کریں گے اور ترکی کے پورے قومی قرضے کی ذمہ داری اپنے سر لے لیں گے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ناظم نامی ایک شخص جو یہودی نژاد تھا اور سلونیکا کمیٹی کے اہم ممبران میں سے تھا، فائق بے ٹولیڈز نامی شخص جو بظاہر مسلمان لیکن حقیقتاً یہودی تھا، کے ہمراہ پیرس گیا اور وہاں اس نے روس اور رومانیہ کے زبوں حال یہودیوں کو سلطنت عثمانیہ کے علاقوں میں بسانے کا نقشہ تیار کیا۔ اس کے بعد اس نے علی الاعلان کہنا شروع کیا کہ رومانیہ کے دو لاکھ یہودیوں کو مقدونیہ میں اور روس کے لاکھوں یہودیوں کو میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں بسایا جائے گا۔

اسرائیل زینگ ول نے اپنے اس مضمون میں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ اُمید بھی ظاہر کی کہ حقی پاشا موجودہ وزیراعلیٰ پر "اعتبار" کیا جا سکتا ہے کہ وہ سلطان سے اسی طرح کی سفارش کرے گا۔ یعنی یہ کہ میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں ایک نیم خودمختار یہودی ریاست کی اجازت دے دی جائے۔ حقی پاشا کو ایک یہودی پرائیویٹ سیکرٹری مہیا کر دیا گیا۔ حقی پاشا ایک یہودی کے گھر بھی اکثر و بیشتر جاتا رہتا ہے لیکن ابھی تک یہودی عزائم پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پائے ہیں لیکن جب ترکی کو اپنے فوجی اخراجات کی وجہ سے مزید سرمایہ کی ضرورت پیش آئے گی تو یہودی ساہوکار اس پر مزید دباؤ ڈالیں گے۔ سلطان عبدالحمید نے میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) میں یہودیوں کی نیم خودمختار ریاست کی درخواست اس وقت بھی مسترد کر دی تھی جب مالیاتی طور پر اسے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ زینگ ول کے ذہن میں بھی یہودیوں کی نیم خودمختار ریاست کا نقشہ اسی طرح قائم تھا جس طرح صیہونی لیڈر ہرزل کے ذہن میں تھا۔ زینگ ول نے اس وقت کہا تھا: "نوجوان ترکوں میں اگر ذرا سا بھی شعور ہو تو انہیں یہ باور کرانے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی کہ ایک محنت کش، عافیت پسند، سفید فام آبادی کو بسانے میں سلطنت عثمانیہ کا فائدہ ہے۔" زینگ ول کا کہنا ہے کہ دولت عثمانیہ کی پارلیمنٹ میں چار یہودی ممبران "صیہونیت کے سخت خلاف" ہیں۔ اس کے بارے میں فلسطین کے سلسلہ میں تو یہ کہا جا سکتا ہے لیکن میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) کے بارے میں یہ صحیح نہیں ہے۔

جو یہودی زعما میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق)، شام اور مصر میں یہودی عزائم کے لیے کام کر رہے ہیں، وہ نوجوان ترکوں کی سیاست کے اس پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ ایک صیہونی اخبار "شفق" جو قسطنطنیہ میں تقریباً ایک سال پہلے شائع ہونا شروع ہوا تھا، اپنے قارئین کو اس امر کی یاد دہانی کراتا رہتا تھا کہ مصر بھی مستقبل کی یہودی ریاست کا حصہ ہے کیونکہ فرعونوں نے یہودیوں سے بیگار لے کر ہی اہرام مصر تعمیر کرائے تھے۔ یہ بات ذرا دور از کار معلوم ہوتی ہے لیکن صیہونیت کے عشاق اس کا پرچار کرتے رہتے ہیں۔ میسوپوٹامیہ (موجودہ عراق) اور فلسطین تو یہودیوں کے ہدف ہیں ہی۔ فی الوقت وہ جس مہم کو سر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ ترکی کی معیشت اور نجی اسکیموں پر قبضہ جما لیا جائے۔ سطور بالا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ نوجوان ترکوں کی حکومت میں تمام اہم مقامات پر یہودیوں کا قبضہ ہے، حالانکہ عوامی کاموں کی وزارت جس کو مراعات دینے کا اختیار ہے اس پر اب بھی ایک آرمینیائی باشندہ حلاجیان آفندی تعینات ہے۔ اس سے پہلے بھی اس جگہ پر ایک آرمینیائی باشندہ کام کر رہا تھا۔ یہودیوں نے سازش کر کے اسے ہٹوا دیا تھا اور باقاعدہ مہم چلا کر کوشش کی گئی تھی کہ اس جگہ پر کوئی یہودی یا یہودیوں کا نامزد کردہ ایک شخص تعینات کیا جائے لیکن ادانہ میں آرمینیائی باشندوں کے قتل عام کے بعد یہ محسوس کیا گیا ہے کہ اسے وزارت سے نہ ہٹایا جائے۔ دوماہ قبل حلاجیان ہٹایا ہی جانے والا تھا لیکن اس کو نئی زندگی مل گئی، جب وہ اسی فری میسن لاج کا ممبر بن گیا جس میں طلعت بے اور جاوید بے تھے۔ اب بھی اس کی تعیناتی مستقل نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہودی سرمایہ سے شائع ہونے والا ایک اخبار اس کے خلاف مضامین اور خبریں چھاپ رہا ہے۔ آج کل جو افواہیں ہیں ان کے مطابق اس کی جگہ کسی یہودی کو بٹھایا جائے گا یا کسی ایسے ترک کو جس کی پشت پر کوئی یہودی اس کی نگرانی کے لیے موجود رہے۔

> **ترکی میں اصل حکومت فری میسن کی گرینڈ اورینٹ کی تھی جس کے گرینڈ ماسٹر طلعت بے تھے، اس کا پہلا ہدف اسلامی قوانین کی بیخ کنی تھی**

یہ صاف ظاہر تھا کہ جو یہودی نوجوان ترکوں کی نسل میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لیے کوشاں تھے وہ ترکوں اور یہودیوں کے مدمقابل دوسری قومیتوں یعنی آرمینیائی اور یونانی باشندوں کے درمیان منافرت کو ہوا دینے کے بھی خواہش مند تھے۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ یہودی ساہوکار ترکی پر مزید قرضوں کا بوجھ لادنا چاہتے تھے تاکہ ترکی ان کے اثر سے کسی بھی طرح نکل نہ سکے۔ یہودی کو روس اور اس کی حکومت سے نفرت ہے اور آج کل چونکہ انگلستان اور روس کی دوستی ہے اس لیے کسی حد تک یہودی ترکی اور فارس میں انگلستان کے بھی خلاف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جرمنی کو اس بات کا علم ہے۔ یہودی نوجوان ترکوں کو اپنی سوجھ بوجھ، کاروباری صلاحیت، یورپ میں اخبارات پر اپنے اثر اور روپے پیسے سے مدد دے سکتا ہے۔ اس کے بدلے میں وہ اقتصادی مراعات اور اسرائیلی عزائم کی تکمیل چاہتا ہے۔ نوجوان ترک اپنی قومی آزادی کے لیے یورپ کے اثر سے نکلنا چاہتا ہے۔ یہودیوں نے روپے پیسے دے کر نوجوان ترکوں کو اپنے قابو میں رکھا ہے۔ اپنی اس پوزیشن کو برقرار رکھنے کے لیے اسے یہ دکھاوا کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ نوجوان ترکوں کے خوابوں کا مداح ہے اور ان کی تکمیل کے لیے ان کا (یعنی ترکوں کا) ساتھ بھی دے رہا ہے۔ اس طرح کے تمام کاموں میں رازداری اور احتیاط بہت ضروری ہوتی ہے اور ہر کام اس طرح کیا جاتا ہے کہ دوسروں کے اصل عزائم کا پتا نہ چل سکے۔ مشرقی یہودیوں کو اس طرح کے کاموں میں ید طولیٰ حاصل ہے اور اسی وجہ سے اس طرح کے کاموں کے لیے فری میسن تحریک کے ممبران کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ان صفحات میں یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ فری میسن لاج کے ممبران سے برادرانہ تعلقات رکھتے تھے لیکن اسکاٹ لینڈ کی فری میسن لاج کو احساس ہوا کہ ترکی کی فری میسن لاجز پر یہودیوں کا قبضہ ہے تو برطانوی فری میسن لاج نے اپنے دروازے تحریک کے نئے ممبران کے لیے بند کر دیے۔

(بشکریہ ہفت روزہ "ضرب مومن")

حقیقی چیلنج

ترجمہ: محمد فہیم

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب
Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade
کا قسط وار اُردو ترجمہ

"ہمیں آج کل عالمی اور مقامی دونوں سطحوں پر اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے۔ اس چیلنج پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ ہم نے اس ایشو کو مدت تک نظر انداز کر رکھا ہے۔ کیونکہ ہم میں برداشت کی صفت ہے اور کچھ ہم سست بھی واقع ہوئے ہیں۔ اسلام کے خلاف ہماری جو مخالفت ہے ہمیں وہ دکھانی چاہیے اور بعض اوقات ہمیں کھل کر سامنے آنا چاہیئے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے ہمیں کوئی بھی برداشت نہیں دکھانی چاہیے" ملکہ مارگریٹ ii آف ڈنمارک (رپورٹ) ڈیلی ٹیلیگراف یوکے 15 اپریل 2005ء۔

نیو کانز، ایوانجلیکلز، صیہونی عیسائی اور سرمایہ دار کلاس پر مشتمل، اسلام مخالف، اتحاد کے لیے اسلامی نظریہ بطور ایک چیلنج موجود ہے جسے ان کو زیر کرنا ہے۔ اسلامی اصول یہ ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان جائے پیدائش، نسل ثقافت، زبان، قومی حدود یا قومیت کی بنیاد پر کوئی تقسیم نہیں کی جاسکتی۔ یہ نظریہ قومی ریاستوں کی بھی نفی کرتا ہے۔ جو مسلمانوں کو علیحدہ علیحدہ قومیتوں میں تقسیم کرنے کی اصل بنیاد ہے۔ پہچان کے لیے یہ طور طریقے اختیار کرنا غلط ہے کیوں کہ اس طرح مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنی اپنی ریاستوں کے حوالہ سے وطن پرست بن جائیں گے بلکہ ان کے مفادات بھی تقسیم ہو جائیں گے (جیسا کہ موجودہ صورت حال ہے) یہی وجہ ہے کہ مسلمان جب بھی 'امت' 'اسلامی ریاست' یا 'خلافت' کے حوالہ سے بات کرتے ہیں تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر سر تا پا کپکپی چھا جاتی ہے۔

"خلافت اور امت" دو ایسے تصورات ہیں جو اسلام کے خلاف میڈیا، اکیڈیمیاں، سیاسی اور فوجی محاذوں پر مذہبی جذبہ کے تحت برسرپیکار عناصر کے آمرانہ افکار کے بعینہ ضد ہیں۔ دیوار برلن کے انہدام کے چھ روز بعد جائنٹ چیفس آف سٹاف چیئرمین کولن پاول نے صدر بش سینئر کے سامنے ایک نیا سٹرٹیجی ڈاکومنٹ پیش کیا۔ اس میں تجویز یہ تھی کہ امریکہ سوویت یونین کی عالمی بالادستی کے حصول کے لیے کوششوں کو ناکام بنانے کی بجائے خود عالمی بالادستی حاصل کرنے کے اقدامات کو یقینی بنائے۔

بش نے 2 اگست 1990ء کو ایک عالمی خطاب کے دوران اس منصوبہ کو معمولی ترامیم کے ساتھ منظوری دے دی۔ اسی روز سے عراق نے کویت پر حملہ شروع کیا۔ 1992 کے اوائل میں پاول نے اپنے بظاہر صلح جو ور منکسر المزاجی کے برعکس امریکی کانگرس میں خطاب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ اتنی بھرپور طاقت حاصل کرے کہ کوئی بھی للکارنے والا ہمیں عالمی سٹیج پر چیلنج کرنے کے تصور کو حاشیہ خیال میں ہی لانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس نے لگی لپٹی کے بغیر اپنے خیالات کا اظہار اس فقرے سے کیا "I want to be the bully on the block" یعنی یہ کہ لوگ (مجھ) یعنی ہم سے (مرعوب) رہیں۔ 18 فروری 1992ء میں ایک پالیسی ڈاکومنٹ وضع کیا گیا جس میں پاول کے عالمی بالادستی کے متعلق پہلے دیئے ہوئے خیالات کو سمو دیا گیا تھا۔ اس وقت کے ڈیفنس سیکرٹری ڈک چینی کا کہنا تھا کہ 46 صفحات پر مشتمل اس ڈاکومنٹ میں ہمارے مشن کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہم اپنے 'بالقوہ' حریفوں پر واضح کریں کہ وہ کسی بھی بڑے رول کو ادا کرنے کا خیال دل سے نکال لیں نیز یہ کہ وہ اپنے جائز مفادات کی حفاظت کے لیے بھی کسی قسم کی جارحانہ کارروائی سے اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ اس سٹرٹیجی کو پنٹاگون ڈیفنس پلاننگ گائیڈ لائنس برائے مالی سال 1994-1999 کا نام دیا گیا۔ اور اسے تب روبعمل لایا گیا جب 2001ء میں بش جونیئر امریکہ کا صدر بنا۔

نیک کوہن (Nick Cohen) نے ابزور میں اس پالیسی کی تلخیص ان الفاظ میں پیش کی "امریکہ اپنے دوستوں کو بالقوہ دشمن سمجھتا ہے۔ ان سے مطلوب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان (امریکیوں) پر تکیہ کریں اور اپنے مسائل کے حل کے لیے واشنگٹن سے رجوع کرتے رہیں یہ پالیسی ڈاکومنٹ پال ولفووٹز اور لیوس لبی نے تیار کیا تھا جو اس وقت اتنے اہم عہدوں پر فائز نہ تھے۔ بش جونیئر کے تحت انہیں بالترتیب ڈپٹی ڈیفنس سیکرٹری اور وائس پریذیڈنٹ ڈک چینی کا چیف آف سٹاف بنا دیا گیا۔ ڈاکومنٹ میں نمایاں طور پر اجتماعی سلامتی انتظامات کو اقوام متحدہ کے ذریعے کرانے کے تذکرہ سے پہلوتہی کی گئی تھی۔ اس کے بجائے یہ تجویز دی گئی تھی کہ امریکہ کو اس بات کے لیے تیار رہنا چاہیئے کہ مستقبل کے کولیشنز (اتحاد) ایڈہاک بنیادوں پر بنیں گی جو زیر غور مرحلہ کے سر ہونے پر خود بخود ختم ہو جائے گی۔ سینیٹر لنکسن چینی نے بعد میں توجہ دلائی تھی کہ بش جونیئر کا (preemtive strikes) "قبل از وقت حملوں" کے لیے منصوبہ بش اوّل کے اقتدار کے آخر میں 1992ء کی رپورٹ کے ساتھ بنا دیا گیا تھا۔ ڈک چینی نے اپنے عہدے کے آخری ایام میں بحیثیت ڈیفنس سیکرٹری ایک ڈاکومنٹ جاری کیا جو ڈیفنس سٹرٹیجی برائے 1990 کے نام سے موسوم ہوا۔ اس ڈاکومنٹ کی رو سے عالمی بالادستی کے متعلق ان امریکی منصوبوں کو ازسرنو مؤکد کیا گیا جن کا ایک ابتدائی پنٹاگون پالیسی پیپر میں تذکرہ تھا۔ لیکن کلنٹن کا بحیثیت صدر اقتدار میں آنے سے ان ڈاکومنٹ کو روبہ عمل لانے کے لیے بش کے صدر اور ڈک چینی کے 2001ء میں وائس پریذیڈنٹ بننے تک انتظار کرنا پڑا۔ تاہم اس دوران ڈک چینی اور اس کے ساتھیوں نے عالمی بالادستی کے تصور کو مزید نکھارنے کے عمل کو PNAC کے تھنک ٹینک کے ذریعے سیاسی طاقت دوبارہ حاصل کرنے کے وقت تک کام جاری رکھا۔

عالمی بالادستی حاصل کرنے کے لیے اس کروسیڈ میں صیہونی اثر و رسوخ اپنا رول ادا کرتا رہا۔ ایک اسرائیلی تھنک ٹینک الموسوم "انسٹی ٹیوٹ فار ایڈوانس سٹرٹیجک اینڈ پولیٹیکل سٹڈیز" نے "اے کلین بریک: اے نیو سٹرٹیجی فار سکیورنگ دی ریلم" کے نام سے ایک مقالہ شائع کیا۔ یہ مقالہ اسرائیلی 'رائٹ ونگ' قسم ہی کے مقالوں میں سے ایک ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ اس کے مصنفین میں سے صدر مصنف رچرڈ پرلے ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ڈیفنس پالیسی بورڈ کا فی الوقت چیئرمین ہے اور بش کے خاص الخواص میں سے ایک ہے۔ دوسرے مصنفین میں سے کئی ایک اس وقت واشنگٹن میں اہم پوزیشنوں پر کام کرتے ہیں۔ یہ دستاویز نئے رائٹ ونگ اسرائیلی لیڈر بنیامین ناتن یاہو کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ ماضی سے مکمل ناطہ توڑ کر "ایک ایسی نئی سٹرٹیجی کو اختیار کرے جو بالکل ہی ایک ایسے نئے فکر پر استوار ہو جس میں صیہونیت کو ازسرنو فعال کرنے کے لیے قوم کو زیادہ سے زیادہ مواقع

فراہم کرنے پر سارا زور مرتکز ہو۔" اس سٹریجی کا پہلا قدم عراق کے صدر صدام حسین کو ہٹانا تھا۔ عراق کے ساتھ جنگ تمام مشرق وسطیٰ کو غیر مستحکم کر دے گی جس سے شام، ایران، لبنان اور دوسرے ممالک میں حکومتوں کو ہٹانے کی راہ نکل آئے گی۔ اس مقالے کا اختتام جن الفاظ پر ہوا ہے وہ کچھ یوں ہے "اسرائیل نہ صرف یہ کہ اپنے دشمنوں کے گرد گھیرا ڈالنے میں کامیاب ہو جائے گا بلکہ وہ اُن کے اوپر قابو یافتہ ہو سکے گا۔"

> **مسلمان جب کبھی 'اُمت'، 'اسلامی ریاست' یا 'خلافت' کے حوالہ سے بات کرتے ہیں تو ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں پر سرتاپا کپکپی چھا جاتی ہے**

بالادستی کے حصول کے لیے بے تاب ان آمروں کو ہر اس چیز سے خدشہ محسوس ہو رہا تھا جو سٹیٹس کو چیلنج کر سکے اور یا اس دُنیا کے مقابلے میں متبادل دے سکے جس کی وہ اپنے فکر کے مطابق ایک نئے نظام کے تحت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہر اس اقدام کو اپنے لئے ایک بڑا خطرہ سمجھتے ہیں جو کسی بھی درجہ میں مسلمانوں کو متحد کر سکے۔ امریکی ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمز فیلڈ، صدر بش اور برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک کے تازہ بیانات سے ان کے دلوں میں موجود اس خوف کا خوب پتہ چلتا ہے۔ اس خوف کی بنیادی وجہ جاننے کے سلسلہ میں آگے بڑھنے سے پہلے آیئے کہ ان تین بیانات کا جائزہ لیں جو ایک ہی ہفتہ کے دوران سامنے آئے۔ 30 ستمبر 2005ء کو رمز فیلڈ نے کہا "ان ووٹروں سے آج دوبارہ اس حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے کہ مغربی اقدار اور مسلم اقدار کے درمیان کوئی کشمکش ہے ہی نہیں۔ دراصل تنازعہ مسلم مذہب کے اندر ہی ہے۔ ہر ملک (مسلمان) میں ایک اکثریت ہے جو آزادی چاہتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایک خوفناک اقلیت بھی ہے جو دوسری کی آزادی سے انکار اور "خلافت" کو دوبارہ قائم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھی ہے"

لفظ خلافت کے استعمال کے ساتھ رمز فیلڈ کافی عرصہ سے ایسا اظہار خیال کرتا آ رہا ہے۔ سپیگل (Spiegel) کے ساتھ 31 اکتوبر 2005ء کو ایک انٹرویو میں اس نے اسی تمہید کو دوبارہ گردانا۔ اور محکمہ کے ایک بریفنگ میں یکم نومبر 2005ء کو خصوصی طور پر ذکر کرتے ہوئے اس نے 'خلافت' پر بات کی۔

20 نومبر کو سی این این کے لیٹ ایڈیشن پر بات کرتے ہوئے رمز فیلڈ نے کہا "اس ملک کا ذرا سوچئے جو "زرقاویوں" کے ہاتھ میں ہو۔ ایسے (زرقاویز) جو لوگوں کے گلے کاٹے اور بے گناہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرتے ہوں اور جو دُنیا میں پھر خلافت قائم کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہوں۔

رمز فیلڈ اور اس کے ہمنوا اس حقیقت کو نظر انداز کئے جاتے ہیں کہ مسلمان کبھی بھی خلافت کے قیام کے لیے اپنے آپ کو مروانے اور دوسروں کو مارنے پر پہلے آمادہ نہیں ہوئے۔ اس تمام خون ریزی کے دوران کچھ سوالات ابھی جواب طلب ہیں (جن کا کوئی جواب رمز فیلڈ کے پاس بھی نہیں)۔ یہ کہ امریکی حملہ سے پہلے یہ مسلمان کہاں تھے اور انھوں نے عراق میں خلافت قائم کرنے کی کوشش اس وقت کیوں نہیں کی جبکہ صدام کی حکومت گر رہی تھی؟ رمز فیلڈ کا منطق ہے کہ آج کے مقابلے میں صدام کے دور میں زور ظلم کا زیادہ دور دورہ تھا۔ (لہٰذا خلافت کے لیے کوشش زیادہ بار آور ہوتی جبکہ صدام حسین کی فوجی قوت کی امریکہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں تھی تو پھر خلافت چاہنے والوں نے ان حالات میں کیوں ایسا کرنے کی کوشش نہیں کی۔)

6 اکتوبر 2005ء کو بش نے اپنی ایک تاریخی تقریر میں اسی خوف کا اظہار کیا جب کہ وہ جنگ کے مقاصد ان الفاظ میں بیان کر رہا تھا "مختلف لوگ اس بُرائی کو بنیاد پرستی، جہادی عسکریت اور اسلامی فاشزم جیسے ناموں سے پکارتے ہیں جو بھی نام دیا جائے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ دراصل یہ نظریہ مذہب اسلام سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک ایسی بنیاد پرستی (ریڈیکلزم) ہے جو اسلام کو ایک متشدد سیاسی ویژن کے طور پر پیش کرتی ہے اور جس کا مطمع نظر دہشت گردی، توڑ پھوڑ اور بغاوت کے ذریعے ایک ایسے مطلق العنان نظام کا داغ بیل ڈالنا ہے جو ہر قسم کی سیاسی اور مذہبی آزادی سے انکار پر مبنی ہو۔ یہ انتہا پسند، جہادی فکر کو ایک ایسی دہشت گردانہ نعرہ میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں جو عیسائیوں، یہودیوں اور ہندوؤں کے قتل پر زور دے رہا ہو۔ نیز یہ اپنے سے مختلف المسلک مسلمانوں کے بھی خلاف کارروائی کو روا سمجھتے ہیں"

برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک نے خلافت کے خوف کا اسی طرح اعادہ 12 اکتوبر 2005ء کو کیا۔ "ان لوگوں کو متحرک کرنے کے پیچھے افکار کارفرما ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد دُنیا کے مختلف حصوں میں اُٹھنی والی تحاریک آزادی کے برعکس، یہ سیاسی معاملات جیسے استعمار سے قومی آزادی، یا نسل اور قومیت کی بنیاد کے خلاف شہری مساوات یا آزادی خیال وغیرہ جیسے چیزوں کے حصول کے لیے نہیں۔ کیونکہ ایسی چیزیں کم از کم اصولی طور پر زیر بحث لائی جا سکتی ہیں اور بہت سے موقعوں پر ان معاملات کا تصفیہ ہو بھی چکا ہے۔ تاہم خلافت کے دوبارہ قیام پر کوئی بھی بات خارج از امکان ہے۔ قانون شریعت کے اجراء پر کوئی بھی گفتگو نہیں ہو سکتی۔ یہ بنیادی اقدار ہیں جو ہمارے عوام کو حاصل ہیں اور ان کی حیثیت ایسی ہے جس پر کوئی بھی مصالحت خارج از بحث ہے۔

اس کا مطلب ہوا۔ کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پاس مسلم ممالک پر حملہ اور ان پر قبضہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ انسانیت کو 'خلافت' کی 'قباحت' سے بچانا چاہتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں کہ دوسرے بہانوں کی بنیاد پر امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ آور ہو کر قبضہ کیا اور خلافت کی قباحت اُسے بعد میں نظر آنے لگی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا بنیادی ماٹو ہی خلافت کے خلاف حملہ کرنا تھا۔ جس کے لیے اس نے طالبان کو بدنام کرانے اور 9/11 کا منصوبہ بندی کرنے کا پورا اہتمام کیا۔ ریاست ہائے متحدہ کے آمران مطلق سمجھتے تھے کہ وہ اپنے فکر کے مطابق جس ورلڈ آرڈر کو ترتیب دینا چاہتے ہیں افغانستان میں طالبان کی حکومت اور ان کی پالیسیاں اس کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے۔

تھنک ٹینک (PNAC) جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، 1997ء کے موسم بہار میں اس وقت بنایا گیا تھا جب کہ طالبان کا ظہور ہو چکا تھا۔ اس نے اپنا 'اصول و مقاصد' کا اعلامیہ جاری کیا جس میں واضح طور پر اعلان تھا کہ اس کے پیش نظر ایک ایسی صدی کو متشکل کرنا ہے جو امریکی اصولوں اور مفادات کو تقویت دے سکے اور ایک ایسی خارجہ پالیسی تشکیل پائے جو بلا خوف و تردید بیرونی دُنیا میں امریکی مفادات کے لیے بامقصد کام کر سکے اور امریکی مفادات اور اقدار سے مخاصمت رکھنے والے ملکوں کو چیلنج کرنے کیلئے دفاعی بجٹ کو بڑھا سکے۔ اور یہ کہ امریکہ کا مثالی کردار منوانے میں مدد دے جس کے ذریعے ایک ایسا بین الاقوامی نظام قابل قبول بنایا جائے جو امریکہ کے تحفظ، خوشحالی اور اس کے مفادات کے فروغ کا ضامن ہو۔

ان اصولوں کی بڑی اہمیت ہے اور ان پر دستخط کرنے والوں کا تعلق اس گروپ سے ہے جو بش کے ہمراز اور خفیہ معاملات پر اس کے مشیروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ABC کے Ted Koppel کے مطابق PNAC کے مرتب کردہ مسودہ کو امریکی عالمی بالادستی کا خفیہ بلیو پرنٹ کی حیثیت سے پہچانا گیا ہے۔ (جاری ہے)

☆☆☆

اصل محاذ پر لوٹیئے......

حامدہ احسان
(سابق رکن قومی اسمبلی)

ابھی جی ایچ کیو کی دھول بیٹھی نہ تھی کہ پے در پے لاہور ہلا مارا گیا۔ یہ سب کیا ہے؟ اخباری مضامین تا ٹیلی ویژن گفتگوئیں بالعموم اس تجزیاتی Uniformity سے محروم ہیں جو ایک واضح نتیجے تک پہنچنے میں مدد دے۔ تضاد بیانی مسئلے کو کئی گنا الجھا دیتی ہے۔ ہم آج اس کیفیت میں گرفتار ہیں جسے نبی ﷺ نے پہلے ہی بیان فرما دیا تھا۔ وہ طویل حدیث جو ہماری آج کی عملی حالت زار کو بیان کرتی ہے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر کو چھوڑ دینا۔ اخلاقی حالت کا بدترین بگاڑ، جہاد کا چھوڑ دینا۔ معروف کا منکر اور منکر کا معروف بن جانا (خیر و شر کے پیمانے اُلٹ جانا) اس کے نتیجے میں یہ تنبیہہ کہ اللہ ایسا فتنہ برپا کردے گا کہ بڑے بڑے دانشور چکرا جائیں گے۔

راقمہ دانش و بینش پر دسترس کا تو کوئی دعویٰ نہیں رکھتی۔ صرف اتنا ہے کہ گھپ اندھیرے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں صراط مستقیم تلاش کرنے کی کوشش ہوتی ہے کیونکہ اس سے ہٹنے میں ہی سارے گڑھے، کھڈے، کھائیاں، عمیق گہرائیاں دنیا و آخرت میں مضمر ہیں۔ ذرا اکیسویں صدی کا خمار اتار دیجئے۔ ہمارا رب تمام صدیوں کا مالک ہے۔ صدی ساتویں ہو یا اکیسویں یا اٹھائیسویں ساری صدیوں کا مالک وہی ہے۔

اے سرِ خاک فنا، رینگنے والے کیڑے
یہ جو ستی ہے تجھے ہستی کی
اپنی وحشت سے بھری پستی کی
اس بلندی سے کبھی آن کے دیکھے تو کھلے
کیسی حالت ہے تری پستی کی
اور پھر اس کی طرف دیکھ کہ جو
ہے زمانوں کا جہانوں کا خدا
خالق ارض و سما، حی و صمد
جس کے دروازے پہ رہتے ہیں کھڑے
مثل دربان ازل اور ابد
جس کی رفعت کا ٹھکانہ ہے نہ حد
اور پھر سوچ اگر
وہ کبھی دیکھے تجھے!!

یقیناً وہ ہمیں ہماری پستیوں میں رُلتا دیکھ رہا ہے جہاں ہم نے پہلے اللہ کو بھلایا، نتیجے کے طور پر اپنا آپ بھول گئے، دیوانے ہو گئے (الحشر) اس دیوانگی ہی نے ملک خداداد پاکستان کو اس حال پر پہنچایا کہ ہمدردی کا ووٹ دے کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ بٹورنے والے بلّوں کو دودھ کی رکھوالی پر بٹھا دیا۔ ملک کے سارے ادارے اپنے ہاتھوں تباہ کیے۔ قوم کے سارے مالی، انسانی وسائل امریکہ کی صلیبی جنگ میں ہم نے خود اپنے ہی خلاف جھونک دیئے۔ مت ڈھونڈیے اپنے دشمن بھارت، اسرائیل، امریکہ میں، ہمارے پے در پے حکمرانوں کے ہوتے ہوئے۔ خاموش اپوزیشن کی موجودگی میں، قومی ملی مفادات پر ذاتی جماعتی عافیت کو ترجیح دینے والی جماعتوں کے وجود بابرکات ہی میں، بے شمار کلہاڑیاں ہمارے پیروں پر برس رہی ہیں۔ 'را' کو کیا پڑی جب ہم اپنی 'را' خود ہیں۔ وہ تو خاموشی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔

آپ کی معاشی بربادی کے لیے قحط کے سامنے

> وزیرستان آپریشن کی دیر ہے، امریکہ اندر سے نقب لگانے کی تیاری پوری کر چکا ہے

ڈیم در ڈیم بنا کر بھارت نے رکھ دیئے۔ آپ اپنا آپ بھنبھوڑ بھنبھوڑ کر جب بے حال ہو جائیں تو (خاکم بدہن) خود ہی دشمنوں کے لیے تر نوالہ ہوں گے۔ جب پوری دلجمعی سے امریکہ کو اپنے دارالخلافہ میں ایک چھوٹا پینٹا گون بنانے کی اجازت آپ نے دے دی تو اب بلبلا، بلبلا کر ہر داڑھی والے پر چڑھ دوڑنے سے پاکستان کی عمر کیا لمبی ہو جائے گی؟ ہوش کے ناخن لیجئے۔ جذباتیت، اور نسل در نسل گہری اتاری گئی 'مولوی دشمنی' کے گڑھے سے ذرا نکل کر تو دیکھئے۔ شہر کو سیلاب بہائے لیے جا رہا ہے۔

بات سادہ سی ہے لال مسجد جامعہ حفصہ کے ڈیڑھ ہزار طلبہ طالبات پر جو قیامت ڈھائی۔ ان کے ساتھ ان کے ورثاء لواحقین اگرچہ زندہ درگور ہو گئے لیکن موجود ہیں۔ پے در پے (مستعار امریکی تکبیر کے ساتھ) پورے قبائلی علاقے در بدر کر دیئے۔ بستیاں ویران کر دیں۔ گھر، مسجدیں، مدرسے ڈھا دیئے (وہاں سو فیصد نمازی آبادیاں ہیں) ہزاروں نوجوان جیلوں میں ٹھونس دیئے۔ وہ خون جو جعلی وڈیو سوات (جو جھوٹ کا پلندہ تھی) پر تو اُبل اُبل کر امڈ رہا تھا۔ قرآن کے اوراق اور حدیث کی کتب، کٹی انگلیاں، ٹوٹی چوڑیاں، بکھری مسلی چپلیں دیکھ کر اس میں ارتعاش کی ایک لہر بھی نہ اٹھی، ایک سسکی، ایک آہ، نہ نکلی، جبین شکن آلود نہ ہوئی، جناب! نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہ ہے جو شہید بہن کا غم تو بھول جائے گی۔ قرآن کی بے حرمتی، صلیبی خنزیر خوروں کی محبت اور ملک اجاڑنے میں ان کی معیت برداشت نہیں کرے گی۔ دہشت گردی کی اس جنگ نے ہمیں بالکل امریکہ جیسا کر دیا ہے۔ جیسے وہ عراق، افغانستان کے انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھ کر مار رہا ہے، ان کا دکھ درد سمجھنے سے عاری ہے۔ واشنگٹن، لندن کی 'حرمت' تو بہت ہے لیکن بغداد، قندھار خون میں نہلا دیئے جانے میں کوئی عار نہیں، عین اسی ذہنی کیفیت سے اب کالے بابو ملک عزیز پاکستان میں بڑے بڑے شہروں کے عالی شان محلات اور فائیو سٹار دفاتر میں بیٹھ کر غریب، سادہ، ایمان والے قبائل کے خون کو سستا جان رہے ہیں۔ مار ڈالو، بھون ڈالو کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں۔ اس آٹھ سالہ جنگ نے نہایت عاقبت نااندیشی کے ساتھ وہی لہو ہمیں بھی لگا دیا ہے۔ یہ اُٹھ اُٹھ کر دیوانہ وار حملہ کرنے والوں پر آپ نے اپنا خون اسی طرح حلال کر لیا ہے جس طرح آپ نے ان کی بستیوں کو خون میں نہلانا جائز جانا تھا۔ اس کے پیچھے 'را' 'موساد' نہ تلاش کیجئے۔ اپنے ہاتھوں پر لگا لہو دیکھئے۔ ہزاروں لاپتہ نوجوانوں کی عقوبت خانوں سے اُٹھتی چیخوں، آہوں، کراہوں اور ان کے گھر والوں کے بے قرار شب و روز بھی کسی چینل پر دکھایئے، سنوایئے، یہ عین وہی سب کچھ ہے جو امریکہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا اور ان کی خواہش 'ایما' ڈالروں پر ہم نے اپنے ہی بیٹوں،

بیٹیوں کے ساتھ کیا۔ صحافیوں کی قطاروں میں سے کوئی ایک بھی جارج گیلوے، رابرٹ فسک جیسا حق گو نہ ہوا۔ کافر سپاہیوں کے ضمیر بلبلا اُٹھے اور انہوں نے امریکہ کے خوبصورت دوغلے چہرے کا نقاب اتار سچ بولا۔ ہمارے ہاں جگر پاش مظالم پر کوئی بھی نہ تڑپا۔ کوئی نہ بولا۔ ملک ڈوب رہا ہے۔ کوئی 'مولوی دشمنی' کے بدلے چکانے پر کالم در کالم لکھنے پر مامور ہے۔ کوئی اپنے ادارے سے وفاداری نبھا کر داد طلب نظروں سے مڑ مڑ کر ہم وطنوں کے لہو میں ڈوبے ہاتھوں کو نظر انداز کیے شاباش کا طلب گار ہے۔ ہمیں سچ بولنا ہوگا۔ سچ لکھنا ہوگا۔ سچ چھاپنا ہوگا۔ قوم سبا کی کہانی ہم پر صادر ہونے کو ہے۔ ہم اب بھی حقیر مقاصد کی تسکین میں گم ہیں۔ وزیرستان پر آپریشن کی دیر ہے، امریکہ اندر سے نقب لگانے کی تیاری پوری کر چکا ہے۔ وزیرستان تہ و بالا کر کے آپ فاتح نہیں ہوں گے۔ کشتی میں پہلے ہی کافی پتھر بھر رکھے ہیں یہ آخری پتھر ہوگا۔ اس کے بعد ہمارا کوئی دشمن باقی نہ رہے گا، سوائے امریکہ اور بھارت کے!

ایسے حادثات میں میڈیا کو احتیاط سکھایئے۔ ایک چینل پر افواہ چھوڑ دی گئی۔ تین عورتیں دہشت گردوں کے ساتھ ہیں، پھر کیا تھا بلا تحقیق سب نے ویڈیو سوات سٹائل جگالی شروع کر دی۔ ذمہ دار لکھنے والوں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ کالموں میں بھی لکھ ڈالا۔ ہمیشہ کی طرح یہ صرف بغض کی چنگاری تھی۔ نتیجہ معلوم ہے، اسلام آباد میں فوراً ایسے واقعات کی ابتدا ہوگئی کہ پولیس کے سپاہی نے عفت مآب باپردہ عورت کو روک کر تلاشی دینے کو کہا۔ اب آپ پر مقصد واضح ہو گیا ہوگا اس چنگاری کے چھوڑے جانے کا۔ یہ بلاسبب نہیں ہے۔ داڑھیوں کے لیے تو جواز بے شمار ہیں۔ عورت کا پردہ اب نیا ہدف ہے۔ اس کے لیے مواقع کی تلاش ہے۔ جان لیجئے یہ بہت بڑی آگ بھڑکائے گی۔ یہ ماضی کا ترکی نہیں ہے۔ یہ مردہ شیر بنی جیسی ایمانی غیرت رکھنے والی خواتین کا ملک ہے۔ جیسے گلاب کی خوشبو ہر جگہ ایک ہی ہوتی ہے۔ ایمان کی غیرت مصری اور پاکستانی خمیر میں ایک ہی ہوگی۔ یہ حماقت نہ کیجئے گا۔ جھاڑ کا نیا کانٹا آپ کے خار در خار پیرہن سے لپٹ جائے گا۔

ملک عزیز میں پورے شعور کے ساتھ بے پردگی سے پردہ کی طرف لوٹنے والی لاکھوں خواتین ہیں۔ خونخوار نظروں سے حجاب کو دیکھنے کی حماقت نہ کر بیٹھئے۔ اصل مسائل سے نمٹئے۔ اصل محاذ کی طرف لوٹئے۔ وہ امریکہ اور بھارت ہے۔ صلیبی جنگ کی دلدل سے نکلنے میں پاکستان کی بقا مضمر ہے۔ (بشکریہ روزنامہ "نوائے وقت")

عبدالرشید عراقی

آہ! پروفیسر عبدالجبار شاکر

ممتاز مذہبی سکالر، ماہر اقبالیات، فاضل درس نظامی اور لاگریجویٹ، اردو زبان کے بلند پایہ ادیب، دانشور، فیصل مسجد اسلام آباد کے خطیب پروفیسر عبدالجبار شاکر 1947ء کو قصور کے قصبے حسن خانوالہ میں پیدا ہوئے اور 13/اکتوبر 2009ء کو اسلام آباد کے ہسپتال میں دوران بائی پاس آپریشن انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر 62 سال تھی۔ وہ اردو کے پروفیسر تھے۔ اور کئی کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہ کافی عرصہ تک پبلک لائبریریز پنجاب کے ڈائریکٹر رہے۔ وہ الدعوۃ اکیڈمی اسلامی یونیورسٹی کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ اور اس کے ساتھ فیصل مسجد اسلام آباد میں خطیب بھی تھے۔ پروفیسر صاحب نے بے شمار کتابوں کے مقدمات، تعارف اور تقریظات لکھیں۔

کتاب دوستی میں پروفیسر عبدالجبار کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے زر کثیر صرف کر کے ایک شاندار لائبریری بیت الحکمت کے نام سے منصورہ (لاہور) کے بالمقابل حبیب پارک میں بنائی۔ اس لائبریری میں ہزاروں نایاب کتابیں جمع کیں۔ سیرت نبوی ﷺ پر سب سے زیادہ ذخیرہ اس لائبریری میں موجود ہے، جس کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر کی ذات خود ایک انجمن تھی۔ وہ بلند مقام و مرتبہ اور اعلیٰ قابلیت رکھنے والی شخصیت تھے۔ اور ایسی شخصیت کا پانا صدیوں تک محال و مشکل ہوگا۔ اور ایسی ہی عظیم شخصیتوں کے بارے میں شاعر مشرق نے فرمایا تھا ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پروفیسر عبدالجبار شاکر تحریر و تقریر کے میدان کے کامیاب شہسوار تھے۔ زبان و قلم میں بلا کی شگفتگی و دل آویزی تھی۔ آپ کی تقریروں میں علم و روحانیت، فکر و بصیرت اور تحقیق و کاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دل آویزی چمکتی دمکتی نظر آتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ شاکر صاحب کو قدرت نے نثر نگاری کا صاف ستھرا ذوق دیا تھا۔ اور وہ علمی حیثیت سے بھی بلند مقام کے آدمی تھے۔

پروفیسر صاحب قدرت کی طرف سے بڑا اچھا ذہن لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر، دردمند دل اور سلجھا ہوا دماغ پایا تھا۔ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حافظہ کی غیر معمولی نعمت سے نوازا تھا۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ ان کا سرمایہ علم تھا۔ تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے تھے۔ اقبالیات پر بھی ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اردو و عربی ادب کا اعلیٰ و صاف ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ ملکی سیاسیات سے نہ صرف یہ کہ باخبر تھے بلکہ اس پر اپنی ناقدانہ رائے بھی رکھتے تھے۔ برصغیر کی تمام دینی و علمی اور قومی و ملی اور سیاسی تحریکات کے قیام سے بخوبی واقف تھے۔

اتنے بڑے عالم اور دانشور ہونے کے باوجود مزاج میں رعونت، اکڑفوں، تعلّی، خودستائی، اور شیخی نہیں تھی۔ محبت، اخوت، اخلاق، شرافت، دوستی، مروت، وضع داری، رواداری، مہمان نوازی اور خوش اخلاقی ان کے کردار کے خاص اوصاف اور نمایاں جوہر تھے۔

شاکر صاحب بڑے حساس، ذہین، فطین اور شگفتہ مزاج تھے۔ مولویوں کی عام خشک مزاجی، ملائیت اور اکڑپن جس نے عام طور سے اس طبقہ کو بڑی حد تک نئی نسل میں بے وقعت کیا ہے۔ شاکر صاحب میں بالکل نہ تھا۔ نکتہ سنج، بذلہ سنج اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ بلاشبہ پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب ایک وسیع النظر عالم دین اور صاحب فکر و بصیرت انسان تھے۔ آپ کا تدبر و تفکر، سیاسی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی، شرافت نفس، ذکاوت حس، اخلاق و صداقت، صبر و ضبط، اور استقلال و بساطت، مخالف و موافق سبھی تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔

بقول پروفیسر حکیم راحت نسیم کہ "شاکر صاحب جدید و قدیم کے درمیان ایک پُل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اپنی خصوصیات، اوصاف اور کمالات کی بنا پر اپنے معاصرین میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کے مالک تھے۔"

پروفیسر صاحب کی پوری زندگی زہد، قناعت، سادگی، خلوص، وفا، ایثار اور قربانی کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ اس کا اعتراف تو آج بھی کرتے ہیں کہ شاکر صاحب نے پوری زندگی اپنے قول و فعل سے کسی چھوٹے بڑے کی دل آزاری گوارا نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ سکون عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے ۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا

☆☆☆

پشاور میں دورۂ ترجمہ قرآن کا روح پرور پروگرام

بانی محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تحریک رجوع الی القرآن کے زیر اثر 1984ء کے رمضان المبارک میں جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں قرآن کو سمجھنے سمجھانے کا ایک منفرد سلسلہ شروع کیا کہ نماز تراویح کے ساتھ پڑھے جانے والے قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح بھی بیان کی جائے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کو لوگوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور اب دورۂ ترجمہ قرآن انجمن ہائے خدام القرآن کی خصوصیت بن چکا ہے۔

انجمن خدام القرآن سرحد اور تنظیم اسلامی پشاور کے زیر اہتمام گزشتہ سالوں میں اس حوالے سے کسی نہ کسی درجے میں یہ پروگرام جاری رہا لیکن سال 2007ء میں انجمن خدام القرآن سرحد کی مجلس منتظمہ نے طے کیا کہ اس پروگرام کو بڑے پیمانے پر اور بھرپور انداز میں کیا جائے۔ اس کے لیے رفیق تنظیم اور ممبر مجلس منتظمہ محمد یاسر حلیم نے شہر کے وسط میں واقع حلیم ٹاور میں زیر تعمیر ہال اس کام کے لیے وقف کیا اور تدریس کے لیے شفاء اللہ صاحب سے درخواست کی گئی جو انہوں نے قبول فرمائی۔ وہ روزانہ واہ کینٹ سے تقریباً 2 گھنٹے کا فاصلہ طے کر کے تشریف لاتے اور واپس جاتے۔ گزشتہ سال امیر تنظیم محترم حافظ عاکف سعید سے درخواست کی گئی کہ وہ ترجمہ قرآن پشاور میں کروائیں لیکن انہوں نے معذرت کی اور محترم خالد محمود عباسی (نائب ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی شمالی پاکستان) کو یہ ذمہ داری سونپی۔ اس سال محترم حافظ عاکف سعید سے دوبارہ درخواست کی گئی جو انہوں نے کمال مہربانی سے قبول فرمائی۔

اس سلسلہ میں انجمن خدام القرآن سرحد اور تنظیم اسلامی پشاور کے زیر اہتمام میٹنگز بلائی گئیں اور مختلف ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ مجموعی طور پر امیر حلقہ محترم میجر (ر) فتح محمد کو اس پروگرام کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ محمد یاسر حلیم اور ان کی فیملی نے ہال کے لیے آمادگی کا اظہار کیا۔ عوام الناس میں تشہیر کے لیے 700 چارٹس، 300 وال ہینگرز، 25 بینرز اور 25000 ہینڈ بلز چھپوائے گئے۔ مقامی انجمن کے ممبران، پچھلے سال کے دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کرنے والے احباب اور قرآن اکیڈمی پشاور کے زیر اہتمام مختلف کورسز میں حصہ لینے والے طالب علموں کو بذریعہ خط اور ٹیلیفون اطلاع دی گئی، جس کے نتیجہ میں کم وبیش 175 تا 200 حضرات جبکہ کم وبیش 50 تا 70 خواتین نے شرکت کی۔ ہفتہ کی رات اور طاق راتوں میں اس تعداد میں اضافہ ہو جاتا جبکہ آخری رات لگ بھگ 300 حضرات اور 100 سے زائد خواتین نے شرکت کی۔

محترم حافظ عاکف سعید نماز تراویح کی ہر چار رکعت سے قبل ان میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ بیان کرتے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوتی، رابطہ آیات کی جانب بھی اشارہ کر دیتے تھے۔ تاویل عام کے ذریعے آیات کا دور حاضر پر انطباق کرتے اور روزمرہ کی مثالوں کے ذریعہ قرآن مجید کے مختلف مقامات کو لوگوں کے سامنے واضح کرتے۔ اگرچہ اس مرتبہ موسم قدرے گرم تھا لیکن حلیم ٹاور کی انتظامیہ کی جانب سے ایئر کنڈیشنر کی سہولت نے گرمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ عشاء کی نماز رات ساڑھے آٹھ بجے کھڑی ہوتی تھی۔ تراویح کی بارہ رکعت کے بعد چائے کا وقفہ ہوتا جس میں حلیم ٹاور کی انتظامیہ کی جانب سے چائے اور دیگر لوازمات سے تواضع کی جاتی۔ نماز تراویح اور وتروں سے فارغ ہوتے ہوتے عام طور پر ایک بج جاتا۔ اس طرح کم وبیش پانچ گھنٹے تک یہ پروگرام جاری رہتا جبکہ ہفتہ کی شب اور طاق راتوں میں دو بج جاتے۔ 28 ویں شب کو ختم القرآن کے موقع پر محترم حافظ عاکف سعید نے سورۃ العصر کی روشنی میں لوازم نجات بیان کیے اور حاضرین کے سامنے تنظیم اسلامی کی دعوت رکھی۔

نماز تراویح میں تلاوت قرآن حکیم کی ذمہ داری حافظ حسنین عاکف بن حافظ عاکف سعید نے ادا کی، جو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل ایل بی (شریعت) کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ حسنین عاکف کو حسن صوت سے نوازا ہے اور موصوف قرآن حکیم کو اس طرح صاف اور واضح پڑھتے ہیں کہ ایک ایک لفظ سمجھ میں آتا ہے۔ شرکاء نے ان کی قرأت اور انداز تلاوت کو بے حد پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی آواز اور صحت کو یونہی قائم ودائم رکھے اور اپنے آباء کی طرح خدمت قرآن کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران کتب اور سی ڈیز کا سٹال بھی لگایا گیا۔ ”بیان القرآن“ (جلد اول) رعایتی قیمت پر رکھی گئی، جس سے شرکاء نے بھرپور استفادہ کیا۔ ”فرائض دینی کا جامع تصور“، ”رسول انقلاب کا طریقہ انقلاب“، ”تنظیم اسلامی کی دعوت: ایک اجمالی خاکہ“ اور ”نوید خلافت“ نامی کتابچوں پر مشتمل 200 پیکٹ تیار کر کے شرکاء میں مفت تقسیم کیے گئے جبکہ خواتین میں ”مسلمان خواتین کے دینی فرائض“ اور ”خواتین کی عظمت و حقوق“ کے عنوان سے نئی طبع شدہ کتاب تقسیم کی گئی۔

اس سارے پروگرام کی کامیابی کا سہرا بلاشبہ صدر انجمن خدام القرآن سرحد ڈاکٹر محمد اقبال صافی اور امیر حلقہ سرحد جنوبی میجر (ر) فتح محمد کے سر ہے جن کی رہنمائی اور نگرانی و سرپرستی میں یہ پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ تنظیم اسلامی پشاور کے رفقاء نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں اور مسلسل 28 روز تک ساؤنڈ سسٹم، لائٹنگ، صفیں بچھانے، مکتبہ کا انتظام، وقفے میں چائے کی خدمات وغیرہ ہر کام انتہائی احساس ذمہ داری اور لگن سے انجام دیا۔ جن رفقاء پر احباب کو دعوت پہنچانے اور تنظیم کی فکر کے حوالے سے گفتگو کی ذمہ داری عائد کی گئی، انہوں نے بھی بہ احسن اسے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے!

بعد از رمضان شرکاء سے ملاقات

انجمن خدام القرآن سرحد کے زیر اہتمام منعقدہ دورہ ہائے ترجمہ قرآن کے ضمن میں یہ روایت رہی ہے کہ بعد از رمضان شرکاء دورۂ ترجمہ قرآن کی مدرس کے ساتھ ایک ملاقات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس سال یہ پروگرام 14 اکتوبر کو بعد نماز عصر منعقد ہوا۔ اس میں محترم شفاء اللہ، محترم خالد محمود عباسی اور محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے شرکت کی۔ قبل از مغرب محترم شفاء اللہ نے درس قرآن دیا، بعد از مغرب محترم خالد محمود عباسی نے ”قرآن حکیم کے عملی تقاضے“ کے موضوع پر گفتگو کی جبکہ آخر میں امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے سوالات کے جوابات دیے اور لوگوں کے ذہنوں میں دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران پیدا شدہ اشکالات کو رفع کیا۔

(مرتب: خورشید انجم)

رمضان المبارک میں حلقہ بہاول نگر و بہاول پور کی سرگرمیاں

ماہ رمضان المبارک میں تنظیم اسلامی حلقہ بہاول نگر میں تین مقامات پر مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دو جگہ خلاصہ مضامین قرآن کے پروگرام ہوئے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

دورۂ ترجمہ قرآن:

1۔ ہارون آباد میں، مسجد جامع القرآن گلشن حشمت میں نماز تراویح کے ساتھ مکمل دورۂ ترجمہ قرآن کا اہتمام کیا گیا۔ مدرس کے فرائض امیر حلقہ جناب محمد منیر احمد نے ادا کیے۔ پروگرام کی تشہیر کے لیے قبل ازیں شہر میں بڑے بڑے بینرز آویزاں کیے گئے اور بڑی مساجد اور مین بازار غلہ منڈی میں ہینڈ بل بھی تقسیم کیے گئے۔ ہر سال کی طرح شرکاء نے

remove it every morning before entering the school. It was only the refusal of one Egyptian girl, Lujain, to take off her hijab and subsequent refusal of the school to let her attend classes that brought the issue to the surface. When contacted by an Arab News reporter, the school administrative secretary said the school policy was a total ban on head scarves. She added, “Any girl wearing a head scarf will *not* be allowed to enter school.” The resulting public outcry and pressure from the Saudi Ministry of Education finally persuaded the school to change its policy.

And yet for all the sustained propaganda and the putting of impediments against observing hijab, the tide has been turning back. More and more Muslim women, from all social groups, rich and poor, highly educated and not so educated, and from the academies and professions, are coming back to Islam. Now the hijab is being observed by even larger number of women all over the world, including, naturally, in Europe and America.

A century ago hijab seemed to be on the way out in the Muslim world; today it can be seen in increasing numbers even in London, Brussels, and New York. Further, despite the incessant propaganda about the oppression of women by Islam, western women are coming to Islam in even greater number than western men. They have found through personal experience and observation that Islam --- hijab and all --- is the true liberator for all humanity that brings peace to the mind, contentment to the heart, and dignity to life.

These old and new Muslims in the West represent a change that some narrow-minded and bigoted people view with certain irrational fear. Phobia and ethno-centric arrogance were two sides of the same coin. If Muslims were not toeing and imitating post-Christian and postmodern cultural norms, then they were a threat to their civilization. Perhaps, there was also a subconscious sense of envy or inferiority; while they had long given up their Abrahamic habits and culture of modesty and dignity, Muslims were sticking to theirs. The Muslim girl wearing hijab engendered so much anger in them because she was a reminder that the Emperor had no clothes.

Banning hijab is banning modesty and decency. Those engaged in this crusade out of a feeling of injury may be better advised to simply get dressed up, instead of wasting their time and efforts in trying to snatch scarves from the heads of school-girls!

ذوق وشوق سے پروگرام میں شرکت کی۔ اختتام رمضان پر دس افراد نے تنظیم میں شمولیت اختیار کی۔

2۔ دوسرا پروگرام ہارون آباد میں قرآن اکیڈمی انارکلی بازار اندرون شہر منعقد ہوا۔ مترجم کی ذمہ داری جناب نثار احمد شفیق نے ادا کی۔ یہاں بھی خواتین وحضرات نے بھرپور شرکت کی۔ نماز تراویح حافظ بشیر احمد پڑھاتے رہے۔

3۔ تیسرا پروگرام مرکز بہاول نگر مسجد جامع القرآن والسنّت میں منعقد ہوا۔ پروفیسر محمود اسلم نے مترجم کے فرائض انجام دیے۔ پہلی مرتبہ ترجمہ کی ذمہ داری نبھانے کے باوجود انہوں نے انتہائی احسن انداز میں یہ پروگرام مکمل کیا۔ حاضرین کی اوسط تعداد 25 رہی۔

خلاصہ مضامین قرآن

1۔ تنظیم اسلامی چشتیاں کے زیر اہتمام خلاصہ مضامین قرآن کا پروگرام منعقد ہوا۔ جناب محمد امین نوشاہی نے خلاصہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کی۔

2۔ تنظیم اسلامی بہاول پور کے زیر اہتمام خلاصہ مضامین کا پروگرام منعقد کیا گیا۔ مدرس کے فرائض میجر ڈاکٹر محمد انور خان نے ادا کیے۔ (رپورٹ: رفیق تنظیم)

دعائے مغفرت کی اپیل

- تنظیم اسلامی لانڈھی کراچی کے امیر ریاض الاسلام فاروقی کا ٹریفک حادثے میں انتقال ہوگیا۔
- تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے ناظم بیت المال خان زمان کی والدہ وفات پاگئیں۔
- تنظیم اسلامی حلقہ سرحد جنوبی کے ملتزم رفیق طارق خورشید اور تنظیم اسلامی حلقہ گوجرانوالہ کے ملتزم رفیق خورشید نبی نور کے بڑے بھائی کو نامعلوم افراد نے قتل کردیا۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ رفقاء واحباب اور قارئین سے بھی دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے صحت کی اپیل

- تنظیم اسلامی سکھر کے ملتزم رفیق ارشاد احمد کی اہلیہ کینسر کی مریضہ ہیں

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے ان کے لیے دُعائے صحت کی اپیل ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ مغل فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 30 سال، تعلیم، ایم بی اے ٹیکسٹائل، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے، دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ برسرروزگار نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0331-4068889   042-35425022

☆ لاہور میں مقیم خاندان کو اپنی بیٹی، عمر 28 سال تعلیم ایم اے، بی ایڈ، کے لیے دینی مزاج کے حامل گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: محمد افضل 0302-4304729

☆ شیخ فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 27 سال تعلیم، بی سی ایس، ذاتی کاروبار کے لیے اہلسنت مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والی تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: محمد یوسف: 0300-4575514

THE CRUSADE AGAINST HIJAB: THEN & NOW!

In the early 20th century, the Rockfeller Foundation sent Ruth Frances Woodsmall on an eighteen month trip to the Muslim world to study the changing state of Muslim women under the influence of colonial rule. Her voluminous report (under the title "Moslem Women Enter A New World") was published by the American University of Beirut in 1936. She traveled to Turkey, Syria, Egypt, Palestine, Trans-Jordan, Iraq, Iran and India. At each place she put the subjects of her study under the microscope, looking at all signs of westernization, which she called advancement and progress. "Undoubtedly the barometer of social change in the Moslem World is the veil," she wrote. So she studied it in great detail noting the designs, material and sizes, and practices regarding it. She wrote passionately, cheering those who were fighting to eradicate the "evil of the veil".

Mustafa Kamal Pasha (1881-1938), the despotic dictator of Turkey from crypto-Jewish *donmeh* family in Salonika, had banned and banished the veil along with several other Islamic obligations and was, therefore, a hero in the eyes of Miss Woodsmall. He received glowing tributes from her. Everything he did in this regard was, of course, logical and just. "When Turkish women were granted suffrage, women wearing veils were debarred from voting, a regulation which was accepted as entirely logical."

In Iran the puppet His Majesty Shah Raza Pahalvi declared 8 January 1936 as the day of "emancipation" forcing women's "advance". Along with the compulsory unveiling in schools and elsewhere, it brought the oppressive measure that no veiled woman could receive treatment in Iran at a public clinic or ride in a public conveyance. What did Woodsmall think about this gross denial of a basic human right: the right to observe one's religious obligations? "These two regulations will doubtless for a time work genuine hardship on conservative Moslem women but eventually their conservatism will doubtless be overcome." She also happily reported, "In the spring of 1935 the Ministry (of education in Iran) made unveiling practically compulsory through the regulation that no girls wearing the veil could receive school prizes or diplomas."

Another self-appointed "civilizing" potent, King Aman Ullah (d.1960) unveiled his Queen Surraiya and set about promulgating the same "spectacular change" in Afghanistan. But his "tragic fall" delayed women's "advance" in Afghanistan and slowed it in Iran, forcing George W. Bush, forty-one years later, to rain missiles and daisy-cutters on the Afghans to bring civilization and liberate their women.

The book is full of condescending comments that betray a typical ethno-centric mindset. One entry in her book reports: "A former young Moslem leader of Beirut who was taking an advanced position there in regard to the veil, after her marriage in Jerusalem has followed the prevailing convention of the veil." Another gives the good news: "Madame Sharawi Pasha, the leading Moslem woman in Egypt, head of the Feminist Movement, with her niece Mlle Ceza Nebaraoui, the Editor of L`Egyptienne, unveiled in 1923, giving prestige to the whole movement."

The colonial rulers used all of their powers in this crusade against the hijab from ridicule to fierce propaganda to coercion. Hijab was a relic of the dark ages, a sign of oppression, an impediment to economic progress, and an infringement on women's rights. The campaign has continued in the post-colonial period through a vastly improved propaganda machine as well as through myriad agencies of that surrogate of the colonial powers known as the UN.

There have also been cases of aggressive actions by European officials in Muslim countries. In October 2000 it was revealed that a French-run school in Alexandria, Egypt banned hijab for its students. When a lawsuit was brought against the school administration, the French embassy tried to shield them by claiming diplomatic immunity. In January 2003 it was reported that the Jeddah Prep and Grammar School, operated by the British and Dutch embassies, did not permit its students to wear hijab. Girls wearing hijab were forced to